معاشی ترقی کا اسلامی تصور

(عصر حاضر کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ برائے ایم۔فل (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

حافظ محمد زبیر بیگ

ایم۔فل علوم اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی

لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ،

نمل، اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست ۲۰۱۹ء

معاشی ترقی کا اسلامی تصور

(عصر حاضر کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ برائے ایم۔ فل (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

حافظ محمد زبیر بیگ

رجسٹریشن نمبر:1194. Mphill/IS/S16

نگران مقالہ

ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی

لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ،

نمل، اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست ۲۰۱۹ء

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **معاشی ترقی کا اسلامی تصور**

The Concept of Economic development in the light of Islam

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: حافظ محمد زبیر بیگ

رجسٹریشن نمبر: 1194. Mphill/IS/S16

ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی ______________________

(نگران مقالہ) نگران مقالہ کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی ______________________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے دستخط

بریگیڈیئر محمد ابراہیم ______________________

(ڈائریکٹر جنرل) ڈائریکٹر جنرل کے دستخط

تاریخ: ______________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں حافظ محمد زبیر بیگ ولد محمد نذیر خان

رولنمبر: MP/ S16/202 رجسٹریشن نمبر: 1194. Mphill/IS/S16

طالبعلم، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **معاشی ترقی کا اسلامی تصور**

The Concept of Economic development in the light of Islam

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: حافظ محمد زبیر بیگ

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر

باب اول: معاشی ترقی کا مفہوم، ضرورت و اہمیت، اصول و ذرائع	**۱**
فصل اول: معاشی ترقی کا مفہوم، ضرورت و اہمیت	۲
فصل دوم: معاشی ترقی کے بارے میں قرآن وحدیث کے راہنما اصول	۱۶
فصل سوم: معاشی ترقی کے ذرائع	۲۹
باب دوم: عہد رسالت وعہد خلافت راشدہ میں معاشی ترقی کے اقدامات	**۴۵**
فصل اول: عہد رسالت میں معاشی ترقی کے لیے اقدامات	۴۶
فصل دوم: عہد فاروقی میں معاشی ترقی کے لیے اقدامات	۶۲
فصل سوم: عہد عثمانی میں معاشی ترقی کے لیے اقدامات	۷۲
باب سوم: ماہرین معاشیات کی آراء اور معاشی ترقی کا تصور	**۸۱**
فصل اول: معاشی ترقی غیر مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کی روشنی میں	۸۲
فصل دوم: معاشی ترقی مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کی روشنی میں	۹۴
فصل سوم: مسلم و غیر مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کا تقابلی جائزہ	۱۱۱
باب چہارم: پاکستان میں معاشی ترقی کے مسائل اور اسلام کی روشنی میں ان کا حل	**۱۱۹**
فصل اول: کاروباری ضابطہ اخلاق کی عدم پاسداری	۱۲۰
فصل دوم: سرمایہ دارانہ نظام	۱۳۵
فصل سوم: جاگیر دارانہ نظام کا رواج	۱۵۰

نتائج ١٦٣
سفارشات ١٦٤
فہرست آیات ١٦٥
فہرست احادیث ١٦٨
فہرست اعلام ١٧٠
فہرست اماکن ١٧١
مصادر ومراجع ١٧٢

انتساب

میری یہ تحقیقی کاوش والد محترم کے نام جنھوں نے ہر لمحے میں میری مدد کی اور والدہ کی دعاؤں کی بدولت میں آج اس مقام پر پہنچا۔ اور حمیرا بیگ کے نام جن کے تعاون سے یہ مقالہ مکمل ہوا۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ(القران)

اظہار تشکر

الْحَمد للہ رب الْعَالمین وَالصَّلَاۃ وَالسَّلَام علی سیدنَا مُحَمَّد وَآله وَصَحبه أَجْمَعِینَ

امابعد!

بے پناہ حمد وثنا اس بابرکت ذات اقدس کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے جو مالک کل کائنات ہے جس کی رحمت وبرکت مجھے گھیرے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مجھ حقیر پر احسان عظیم ہے کہ اس نے مجھے اپنے دین کے علم کو سمجھنے کے لیے منتخب فرمایا اور پھر مجھے یہ توفیق بخشی کہ میں اس تحقیقی مقالہ کو تحریر کرنے کے قابل ہوا۔

اس کے بعد میں اپنے والدین کا شکر گزار ہوں جن کی دعائیں، مدد اور تعاون ہر لمحہ میرے ساتھ رہا۔ میرے والد محترم جنہوں نے ہر کٹھن لمحے میں میرا ساتھ دیا اور میری راہ کی مشکلات کو اپنے دستِ شفقت کے ذریعے سہل بنایا۔ میری والدہ جنہوں نے اس تمام دورانیے میں خصوصی تعاون کیا کہ میں وقت کا درست استعمال کر سکوں اور ان کی حوصلہ افزائی ہی کی بدولت میں آج اس مقام پر ہوں۔

اس کے بعد صدر شعبہ ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری صاحب کا شکر گزار ہوں جن کے توسط سے اس یونیورسٹی میں شعبہ علوم اسلامیہ روز افزوں ترقی کی منازل طے کر رہا ہے اور جن کی شفقت اس تحقیقی مقالہ میں میرے شامل حال رہی۔ اور اسکے بعد میں اپنے نگران مقالہ محترم جناب ڈاکٹر راؤ فرحان علی صاحب کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے اس مقالہ کی ترتیب و تدوین میں میری مدد کی اور ہر لمحہ میری رہنمائی کی۔ ساتھ ہی ساتھ میں اپنے تمام ان لوگوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے تحقیق کے سلسلے میں میرے ساتھ تعاون کیا اور مطلوبہ کتب کی فراہمی کو ممکن بنایا اور میری رہنمائی کرتے رہے۔

آخر میں اپنے بھائیوں، نصیر بیگ، سکندر بیگ اور عابد مغل کا مشکور ہوں جنھوں نے میرے ساتھ ہر موڑ پر مالی تعاون کیا۔ اور ساتھ ہی میں حمیرا بیگ کا بے انتہا مشکور ہوں جنہوں نے مقالے کی کمپوزنگ میں میرے ساتھ تعاون کیا اور تمام تحقیقی دورانیے میں ساتھ رہیں اور میری مدد کرتی رہیں۔

حافظ محمد زبیر بیگ

سکالر: ایم۔ فل علوم اسلامیہ

ABSTRACT

My Topic is as under:

The Concept of Economic Development in the light of Islam.

Islam is the complete code of life. It covers all parts of human's life .It gives a complete direction.Therefore, Islam is called "A Complete Religion".If we study about the history of all over the world's Nation, so we will know that Economics have a big hand in the reasons of ups and downs and successful and unsuccessful of the nations. In the present age, those countries which are economically stable called "Developed Countries".Economics and its study have an important position in Islam. Quran and Sunnah give us much information about economics because economics is the major and basic part of human's matters.This is the reason that the economic prosperity were taken into consideration during the reign of Prophethood (Ahd-e-Risalat) and was focused by the Prophet,s (SAW) descendants,particularly during the reigns of Hazrat Umer Farooq(R.A) and Hazrat Usman (RA).In the present work, the concept of Islamic economic prosperity is explored and the fundamatal aspects of economic prosperity are highlited that cause substancial growth of economy under Islamic law.This is not only considered during Farooqi and usmani reigns, but those eras are given importance as well that lead to the economic prosperity under Islamic preachings. The opinions of Muslims and non Muslims economists are highlighted as well and also qualitative approach was employed in this research.The scholars have concluded the hallmark of economic prosperity during prophethood and khilafat as to be the grandeur of moral values.Common well fare of public was given importance and natural resources were used abundantly.In the current research work, the negativities of Capitalism and feudalism are coped with the best possible ways. In the present scenario,especially in Pakistan the ethicl economical values must be improved and the shortcomings of capitalism and feudalism must be eradicated. It is the only way to achieve the zenith of economic growth.

مقدمہ

موضوع کا تعارف:

اسلام ایک جامع اور مکمل نظام زندگی ہے جو انسان کو ایک ایسا ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے۔ جس کی روشنی میں ایک فرد یا ایک قوم روحانی اور مادی ترقی کی منازل آسانی سے طے کر سکتی ہے۔ دیگر مذاہب کی طرح اسلام جمود کا قائل نہیں ہے۔ بلکہ ہر قسم کے پیش آمدہ حالات اور ہر قسم کے معاملات پر غور و فکر کر کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں نیا لائحہ عمل مرتب کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہی اجتھاد کا راستہ ہے جس کے ذریعے ہر زمانہ میں مسلمان اپنے لئے راہ عمل مرتب کر سکتے ہیں۔ اسلام کے پیش نظر انسان کی "فلاح" ہے۔ فلاح کا یہ تصور نہ صرف اس دنیا کی زندگی بلکہ انسان کی اخروی زندگی پر بھی محیط ہے۔ قرآن کریم میں مومنین کو یہی دعا سکھائی گئی ہے کہ:

﴿رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِي ٱلدُّنۡيَا حَسَنَةً وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ﴾(۱)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے بچا۔

اب آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھلائیوں اور ترقیوں کا حصول بھی ایک فرد اور بحیثیت مجموعی پورے معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ دنیا کی زندگی میں فلاح کا حصول معاشی ترقی کے ساتھ منسلک ہے۔ اس لئے اسلام اپنے پیروکاروں کو معاشی جدوجہد میں حصہ لینے، غربت وجہالت کا خاتمہ کرنے اور معاشی ترقی کے دیگر عوامل کی تحقیق وجستجو کے لئے بھرپور ترغیب دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

((كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْراً))(۲)

ترجمہ: فقر (غربت) انسان کو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔

آپ ﷺ اللہ تعالی سے یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ "اے اللہ میں کفر اور فقر وفاقہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ یہ نقطہ نظر انسان کو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے بچاتا ہے۔ کیونکہ فقر وفاقہ سے بچنے کے لئے ایک طرف تو انسان معاشی جدوجہد کرے گا اور دوسری طرف اپنے اللہ سے کفر کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرے گا۔

۱۔ سورۃ البقرۃ:۲/۲۰۱

۲۔ البیہقی فی شعب الایمان، احمد بن حسین البیہقی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، حدیث:۱۲۵۱، ۲/۱۵۶

موضوع کی ضرورت اہمیت:

کسی بھی ملک و قوم یا فرد کی دنیاوی خوشحالی کا راز معاشی ترقی میں پنہاں ہے۔ موجودہ دور کی جنگ معاشی جنگ ہے، جو بھی معاشی میدان میں آگے ہے وہ ہر طرح سے مستحکم ہے۔ اس علم کا تعلق ہماری روزمرہ زندگی سے ہے اس لئے ایک کامیاب شہری بننے کے لئے اس علم کا مطالعہ ضروری ہے۔ عصرِ حاضر میں معیشت کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کا دور معیشت کا دور بلکہ نظام ہائے معیشت کی کشمکش کا دور ہے اور صنعتی و سائنسی ترقی نے اس کشمکش کو تند و تیز کر دیا ہے۔ اس علم کے مطالعے سے صنعت و حرفت اور تجارت کے معاملات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے ٹیکسوں کے نظام کو سمجھنے کے لئے بھی اسکا مطالعہ ضروری ہے معاشرہ میں منصفانہ تقسیمِ دولت کے لئے اِسلامی معاشیات ناگزیر ہے ۔

آمدنی اور خرچ میں توازن رکھنے کے لئے بھی اسلامی معاشیات کا مطالعہ مفید ہے۔ اسلامی معاشیات میں فضول خرچی اور بخل دو انتہائی رویئے ہیں اور بہترین راہ اعتدال کی ہے جس کی صحیح راہنمائی اور نشاندہی اسلامی معاشیات ہی کرتی ہے اسلامی معاشیات فلاحی پہلو کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہے اس لئے انکا مطالعہ ضروری ہے۔ بین الاقوامی تجارت، غیر ملکی قرضے اور بیرونی سرمایہ کاری جیسے معاملات کو جاننے کے لئے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ اسلامی معاشیات کی روشنی میں جدید دنیا کے تمام معاشی مسائل حل کئے جاسکتے ہیں۔ علمِ معاشیات کا مطالعہ اپنے اندر متعدد فوائد لیے ہوئے ہے انہی فوائد کو یہ علم اجاگر کرتا ہے جس سے اس کی ضرورت واہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جو زہد کو اختیار کئے ہوئے ہیں جو کہ معاشی ترقی کے کسی بھی طرح سے قائل نہیں ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو کہ ترقی کی انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں دنیاوی کامیابی کو ہی اپنا مقصد بنا لیا ہے۔ معاشی ترقی کے بارے میں قرآن وحدیث میں کئی مقامات پر ترغیب دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اپنے عطا کردہ وسائل اور رزق سے استفادہ کرنے کی دعوت دی ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے :

﴿وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزۡقُهَا﴾(۱)

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی ہے۔

۱۔ سورۃ ہود:۱۱/ ٦

﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّٰكُمْ فِي ٱلْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَٰيِشَ﴾[1]

ترجمہ: اور بے شک ہم نے تم کو زمین میں تمکن وتصرف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کیے۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓاْ أَوْلَٰدَكُم مِّنْ إِمْلَٰقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾[2]

ترجمہ: اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم ہی تم کو رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔

﴿وَمَن يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ ۗ أَءِلَٰهٌ مَّعَ ٱللَّهِ﴾[3]

ترجمہ: آسمان اور زمین میں تم کو روزی کون پہنچاتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے۔

﴿إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ﴾[4]

ترجمہ: بے شک وہی رزق دینے والا ہے بڑی مضبوط طاقت والا ہے۔

ان آیات کی روشنی میں معاشی زندگی کو خوشحال بنانے کی ترغیب دی گئی ہے معاشی ترقی، دنیاوی تمام ترکامیابیوں کا زینہ ہے۔ اسلام انسان کو حلال رزق کمانے کی ترغیب دیتا ہے۔

موضوع پر ماقبل تحقیق:

معاشیات ایک بہت وسیع میدان ہے۔ اس معاشیات کے میدان میں مختلف موضوعات پر بحث کی جاتی ہے۔ جیسا کہ کاروبار کے مختلف طریقے، معاشی قوانین وغیرہ۔ لیکن "معاشی ترقی کا تصور اسلامی تناظر میں" اس موضوع پر کوئی کام نہیں کیا گیا ہے۔ معاشیات کے دیگر موضوع پر بہت سی کتب اور مقالات تحریر کئے گئے ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اسلام اور معاشی مساوات، عبدالجبار، مقالہ برائے ایم۔ اے علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

امام ابو یوسف بحیثیت ماہر معاشیات، منور حسین، مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۱۔ سورۃ الاعراف: ۷/ ۱۰

۲۔ سورۃ الانعام: ۶/ ۵۱

۳۔ سورۃ النمل: ۲۷/ ۶۴

۴۔ سورۃ الذاریات: ۵۱/ ۵۸

اسلام میں تجارت کی اہمیت اور اصول، ریاض احمد، مقالہ برائے ایم۔فل علوم اسلامیہ ،پنجاب یونیورسٹی، لاہور

عالم اسلام کا معاشی بحران اور اس کا حل، عبد الشکور، مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ، نمل، اسلام آباد

شاہ ولی اللہ کے معاشی نظریات کا تحقیقی مطالعہ، محمد عبد اللہ، مقالہ برائے ایم۔فل علوم اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی

شاہ ولی اللہ کے معاشی افکار، حمیرا مشتاق، مقالہ برائے ایم۔اے علوم اسلامیہ، نمل، اسلام آباد

Financial development and agriculture growth: A case study of Pakistan, By sidra batool,M.phill Economics, Quiad e Azam,university,Islamabad (2009).

International Trade ,Human Capital and Economic Growth: A Cross country Anaylysis,By Miraj ul Haq,M.phill Economics, Quaid e Azam university,Islamabad,(2013).

موضوع کی تحدید:

معاشیات ایک بہت ہی وسیع میدان ہے اس میں مختلف چیزوں کو بیان کیا جاتا ہے۔جیسا کہ معاشی اقدار، معاشی قوانین کاروباری طریقے وغیرہ، لیکن مقالہ ہذا میں صرف اور صرف ایک پہلو معاشی ترقی کے اسلامی تصور کو موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔ جسے قرآن و حدیث اور عہد رسالت و عہد خلفاء راشدین(عہد فاروقی و عہد عثمانی)تک محدود کیا گیا ہے۔

مقاصدِ تحقیق:

موضوع زیر بحث پر علمی تحقیق کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ معاشی ترقی کا تصور اسلامی نقطہ نگاہ سے بیان کرنا۔

۲۔ پاکستان کے مختلف اداروں کو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق معاشی ترقی کا مجوزہ خاکہ فراہم کرنا۔

۳۔ معاشی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے سدباب کے لیے تجاویز فراہم کرنا۔

۴۔ اسلامی معاشیات کے محققین کے لئے تحقیق کی نئی راہیں متعارف کروانا۔

تحقیقی سوالات:

۱۔ معاشی ترقی کا اسلامی تصور کیا ہے؟

۲۔ عصر حاضر میں معاشی ترقی کے اسلامی تصور سے استفادہ کیسے ممکن ہے؟

۳۔ معاشی ترقی کی راہ میں کون کون سی رکاوٹیں ہیں اور ان کا سدباب کیسے ممکن ہے؟

اسلوب تحقیق:

مقالہ کی تحقیق کے لئے درج ذیل اسلوب اپنائے جائیں گے۔

۱۔ مقالہ ہذا میں بیانیہ اور تجزیاتی تحقیق کو اپنایا جائے گا۔

۲۔ مقالہ ہذا میں تحقیق کے جدید ذرائع سے استفادہ کیا جائے گا۔

۳۔ حوالہ جات اور حواشی کے لیے یونیورسٹی فارمیٹ کو اپنایا جائے گا۔

ابواب بندی

باب اول: معاشی ترقی کا مفہوم، ضرورت واہمیت، اصول وذرائع

فصل اول: معاشی ترقی کا مفہوم، ضرورت واہمیت

فصل دوم: معاشی ترقی کے بارے میں قرآن وحدیث کے راہنما اصول

فصل سوم: معاشی ترقی کے ذرائع

باب دوم: عہد رسالت وعہد خلافت راشدہ میں معاشی ترقی کے اقدامات

فصل اول: عہد رسالت میں معاشی ترقی کے لیے اقدامات

فصل دوم: عہد فاروقی میں معاشی ترقی کے لیے اقدامات

فصل سوم: عہد عثمانی میں معاشی ترقی کے لیے اقدامات

باب سوم: ماہرین معاشیات کی آراء اور معاشی ترقی کا تصور

فصل اول: معاشی ترقی غیر مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کی روشنی میں

فصل دوم: معاشی ترقی مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کی روشنی میں

فصل سوم: مسلم وغیر ماہرین معاشیات کی آراء کا تقابلی جائزہ

باب چہارم: پاکستان میں معاشی ترقی کے مسائل، اسلام کی روشنی میں ان کا حل

فصل اول: کاروباری ضابطہ اخلاق کی عدم پاسداری

فصل دوم: سرمایہ دارانہ نظام

فصل سوم: جاگیر دارانہ نظام کا رواج

باب اوّل

معاشی ترقی کا مفہوم، ضرورت واہمیت، اصول وذرائع

فصل اول: معاشی ترقی کا مفہوم، ضرورت واہمیت

فصل دوم: معاشی ترقی کے بارے، قرآن وحدیث کے راہنما اُصول

فصل سوم: معاشی ترقی کے ذرائع

فصل اول

معاشی ترقی کا مفہوم اور ضرورت واہمیت

فصل اول:

معاشی ترقی کا مفہوم اور ضرورت واہمیت

انسانی زندگی کا مطالعہ مختلف نقطہ نظر سے کیا جاسکتا ہے چنانچہ مختلف علوم کی جو انسانی زندگی کے کسی خاص پہلو پر نظر ڈالتے ہیں یا کسی خاص نقطہ نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تعریفات جدا جدا ہیں۔ مثال کے طور پر تاریخ وہ علم ہے جس میں ملکوں یا قوموں کی ترقی یا تنزل کے نہ صرف حالات و واقعات بیان کیے جاتے ہیں بلکہ ان کے اسباب ونتائج سے بھی بحث کی جاتی ہے۔ اس طرح علم معاشیات انسان کی اس جدوجہد کا مطالعہ کرتا ہے جو دولت سے متعلق ہے۔ ہم صبح سے شام تک لوگوں کو طرح طرح کے مشاغل یا کاروبار میں مصروف پاتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کی احتیاجات ان کو حصول دولت کے لئے مجبور کرتی ہیں اور دولت کا حاصل کرنا بلا کوشش ومحنت کے ناممکن ہے چنانچہ انسان اپنی ضرورت و احتیاجات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کوشش کے نتیجے میں اس کو دولت حاصل ہوتی ہے اس دولت کے استعمال سے وہ تسکین وسکون حاصل کرتا ہے۔

لفظ معاشیات کی لغوی واصطلاحی تحقیق:

معاش عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ ”عاش“ ہے جس کے معنی زندہ رہنے کے ہیں بعض کے نزدیک اس کا مادہ ”عیش“ (ع۔ی۔ش) ہے جس کے معنیٰ خوراک، رزق اور گزارن کے ہیں۔ ابن منظور افریقی ”العیش“ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”العیش کا معنی ہے زندگی۔“ یہ عاش ، یعیش، عیشاً اور عیشتا سے بنا ہے اور معیشت سے مراد (وہ ذرائع ہیں) جن سے زندگی بسر کی جاسکے۔ (۱)

صاحب القاموس لکھتے ہیں:

”معیشت سے مراد کھانے پینے کے وہ ذرائع ہیں جن پر زندگی کا دارومدار ہوتا ہے اور جس سے زندگی بسر کی جاتی ہے“۔ (۲)

۱۔لسان العرب، جمال الدین ابن منظور افریقی، مکتبہ دار الجیل، بیروت، س ن، ۳/۱۶۲

۲۔ القاموس المحیط ، فیروز آبادی، س ن، ۱/۲۹۱

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

العیش اس زندگی کو کہتے ہیں جو حیوانات کے ساتھ خاص ہے اور یہ لفظ " الحیاۃ" کے مقابلے میں خاص ہے کیونکہ :"الحیاۃ" کا لفظ حیوان، باری تعالیٰ اور ملائکہ سب کیلئے استعمال ہوتا ہے اور العیش سے لفظ "المعیشۃ" ہے جس کے معنیٰ سامانِ زیست، کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے۔[1] فرہنگ آصفیہ میں معاش کے لغوی معنی ہیں۔ خوراک، رزق، گزران، اوقات بسر اور وہ شے جس سے زندگی بسر کی جاتی ہے۔[2]

لفظ معاشیات کی اصطلاحی تعریف:

معاشیات کو انگریزی میں "Economics" کہا جاتا ہے جس کی اصل ایک لاطینی زبان کا لفظ "Oiko "Nomos" ہے جس کے معنی گھریلو ضابطہ کے ہیں۔ جرمن زبان میں اسکو "Politische Oekonomie" اور فرانسیسی زبان میں "Economic Poltique" کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں جس کا مطلب یہ ہے کہ معاشیات کا علم وہ ہے جس کے ذریعے اس خاص طریقہ کار کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو کم ذرائع میں بہت سی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔

"Encyclopedia of Social Sciences" میں معاشیات کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

Economics deals with a Social phenomenon center about the provision for the material needs of an individual and of the organized group.(3)

معاشیات کا تعلق ایسے معاشرتی امور سے پڑتا ہے جو ایک شخص سے لیکر منتظم گروہ کی بنیادی ضروریات کی فراہمی پر توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ ماہرین معاشیات نے معاشیات کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ بعض میں معاشیات کا مقصد انسان کی مادی خوش حالی کا مطالعہ کرنا ہے اور بعض میں اس بات پر توجہ دلائی گئی کہ محض معاشی وسائل کے حصول یا معاشی طرز عمل کے مطالعے کا نام معاشیات ہے انسان کی تمام جدوجہد جو وہ دولت کے حصول میں صرف کرتا ہے محض اس لئے کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو بہتر بنائے اور زیادہ سے زیادہ آرام کی زندگی بسر کرے۔ اس طرح وہ اپنی جدوجہد کا ایک حصّہ دولت حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیتا ہے اور اسطرح وہ جو دولت کماتا ہے اس کو خرچ کرکے نہ صرف مادی خوشحالی حاصل کرتا ہے بلکہ وہ دولت کے بہتر استعمال کی بدولت اس خوشحالی میں اضافہ

۱۔ مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی، مترجم، محمد فیروزپوری شیخ شمس الدین، لاہور، س ن، ص:۷۴۱

۲۔ فرہنگ آصفیہ، سید احمد وہلوی، مکتبہ سائنس بورڈ، لاہور، س ن، ۳/۳۳۶

3.Encyclopaedia of Social Sciences , Edwin Rebert , (Macmillan Press,1967),P: 68

کرتا ہے ان تمام پہلوؤں کے پیش نظر معاشیات کے مختلف علماء نے معاشیات کی تعریف کو یوں بیان کیا ہے۔

معاشیات کی تعریف مسلم مفکرین کی نظر میں:

اسلامی معاشیات ایک ایسا سماجی موضوع ہے جو لوگوں کے معیشت سے متعلق مسائل کا اسلامی اقدار کی روشنی میں مطالعہ کرتا ہے۔ قدیم و جدید علماء معاشیات نے معاشیات کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔

۱۔ علامہ ابن خلدونؒ کی تعریف:

"معاشیات (المعاش) رزق ڈھونڈنے اور اِسے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنے کا نام ہے"۔ [۱]

۲۔ شاہ ولی اللہؒ کی تعریف:

"معاشرے کے افراد میں اشیاء کا تبادلہ، معاشی امداد اور ذرائع معاش و آمدن کی حکمت سے بحث علم معاشیات ہے۔" [۲]

۳۔ محمد بن حسن طوسیؒ کی تعریف:

"معاشیات وہ علم ہے جس میں عوامی بہبود قوانین کا مطالعہ کیا جاتا ہے جس کا مقصد اس تعاون کو فروغ دینا ہے جس کے نتیجے میں حقیقی ترقی کو فروغ حاصل ہو"۔ [۳]

۴۔ امام غزالیؒ کی تعریف:

"دنیا میں رہنا بغیر کھائے پیئے ناممکن ہے تو یہاں رہ کر کمانا ضروری اور لازمی ہے لہٰذا کمانے کے صحیح طریقوں کو جاننا ضروری ہے اسے علم معاشیات کا نام دیا جاتا ہے"۔ [۴]

۵۔ الحریریؒ کی تعریف:

"معاشیات سے مراد یہ ہے کہ انسان تجارت، زراعت اور صنعت کے ذریعے اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرے۔" [۵]

۱۔ مقدمہ ابن خلدون، عبدالرحمن ابن خلدون، نفیس اکیڈمی اردو بازار، کراچی، ۱۹۹۴ء، ۱/ ۳۲۴

۲۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ، مکتبہ شان اسلام، لاہور، ۲۰۰۷ء، ۱/ ۴۳

۳۔ تہذیب الاحکام، محمد بن حسن طوسی، مکتبہ دار المعارف، بیروت، ۱۹۹۸ء، ۱/ ۲۱۵

۴۔ تہذیب الاصول، امام غزالی، مکتبہ دار الجیل، بیروت، لبنان، ۲۰۱۵ء، ص: ۱۹

۵۔ معاشیات اور مسلم کی اصل، رفیق احمد حریری، مکتبہ دار العلم، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص: ۴۲

خلاصہ تعریفات:

علم معاشیات کی ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشیات رزق ڈھونڈنے کی جدوجہد ،اشیاء کا تبادلہ،عوامی فلاح وبہبود اور کمانے کے صحیح طریقے کو جاننے کے ساتھ تجارت،صنعت اور زراعت کے ذریعے زمینی وسائل کو منظم کرنے کانام ہے۔

معاشیات کی تعریف غیر مسلم ماہرین کے نزدیک:

معاشیات وہ علم ہے جو انسانی گروہوں کی معاشی جدوجہد سے بحث کرتا ہے۔یعنی اس میں انسانی گروہوں کے ان تمام افعال واعمال کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو حصول دولت واستعمال سے متعلق ہوتے ہیں۔

۱۔ایڈم سمتھ:(Adam Smith)

"Economics is a study of wealth." (1)

"معاشیات دولت کا علم ہے"۔

۲ سیگر:(Seager)

"Principle Economics is a knowledge that overview the part of the human character that is related to its earning a living".(2)

"اصول معاشیات ایک ایسا علم ہے جو انسانی کردار کے اس حصّے کا جائزہ لیتاہے جو اس کے حصول معاش سے متعلق ہوتا ہے"۔

۳۔ڈاکٹر الفریڈ مارشل لکھتے ہیں:

"Economics is a study of man's action in the ordinary business of life. it enquiries how he gets his income and how he uses it. It examines that part of individual and social action which is most closely,connected with the attainment and with the use of material requisites of well being.Thus economics is on one side a study of wealth and on the other and more important side, a part of the study of man." (3)

"معاشیات میں افراد کی ان سرگرمیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے جو انسان کی روزمرہ زندگی کے امور سے تعلق

1.Wealth of nation, Adam smith, (Spence Press, Scotland, 2012),P:10

2.Introduction to Economic, Henry Seager,(Henry holt Press,New york,2005),P:123

3.Economics, Jihanson, (Uni of Chicago Press, Uk,1952),P:6

رکھتے ہیں اس کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کس طرح دولت کماتا ہے اور کس طرح خرچ کرتا ہے؟ یہ علم انسان کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں سے ان امور کا مطالعہ کرتا ہے جن کا اس باب سے گہرا واسطہ ہے پس علم معاشیات جہاں دولت کا علم ہے وہیں دوسری طرف خود انسانی زندگی کا ایک پہلو بھی"۔

۴۔ رابنز: (Robbins)

"Economics is a science which studies human behaviour as a relationship between ends and scarcemeans with alternative uses."[1]

"معاشیات انسان کے اس طرزِ عمل کا مطالعہ کرتی ہے خواہشات کے لیے بے شمار ہونے اور ذرائع کے محدود ہونے کی بنا پر اختیار کیا جاتا ہے جب کہ یہ ذرائع متبادل مقاصد کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں"۔

خلاصہ تعریفات:

غیر مسلم ماہرین معاشیات کی تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشیات دولت کی تقسیم واسباب کی تخلیق ، حصول معاش میں انسانی کردار اور کثیر احتیاجات کو کم وسائل سے پورا کرنے کی کوشش کرنے اور دولت کی پیداوار اور تقسیم کے بارے میں جاننے کا نام ہے۔ دولت کے حاصل کرنے کے بعد کس طرح انسان اس کو خرچ کرتا ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ تسکین حاصل کرے۔ انسان اپنی کمائی ہوئی دولت کو نہ صرف اپنے حال کی ضرورت کے لئے استعمال کرتا ہے بلکہ وہ آئندہ ضرورتوں کے لئے یا تو بچا کر رکھتا ہے یا اس کو اس طرح استعمال کرتا ہے کہ وہ مزید پیدائشِ دولت یا افزائش دولت کا باعث ہوتی ہے۔

مسلم و غیر مسلم مفکرین معاشیات کے تصورات میں واضح فرق کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسلم ماہرین مفکرین کے نزدیک معاشیات میں لوگوں کے معاشی مسائل کا اسلامی اقدار کی روشنی میں مطالعہ کیا جاتا ہے نیز کمانے کے صحیح طریقوں کے بارے میں جانا جاتا ہے جس کا مقصد انسانی فلاح ہے۔ جو زمینی وسائل کے منظم کرنے میں حصہ لینے اور باہمی تعاون کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ غیر مسلم مفکرین کے نزدیک معاشیات انسانی گروہوں کے ان افعال واعمال کا مطالعہ کرنا ہے جو حصول دولت و استعمال سے متعلق ہے اور محض دولت کمانے اور اس کے اسباب کی تخلیق کا نام ہے۔

1.Economic theory, Prof Robbin,(Henry holt Press, New york, 2011),P:29

معاشی ترقی کی تعریف:

معاشی ترقی ملکی ذرائع پیدائش کو بروئے کار لا کر مجموعی قومی پیداوار یا فی کس آمدنی میں اضافے کا نام ہے اور عوام اس پیداوار سے آزادانہ طور پر مستفید ہو رہے ہوں تو اُسے معاشی ترقی کا نام دیا جائے گا۔ معاشی ترقی کے مفہوم میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر قومی پیداوار کے اضافے کا بہاو مخصوص طبقے کی طرف ہے اور عوام اس سے کم مستفید ہو رہی ہے تو معاشی ترقی نہیں کہلائے گی، لہٰذا ریاست کی معاشی ترقی اصطلاحی طور پر اُسی وقت معاشی ترقی کہلائے گی جب عوام آزادانہ طور پر پیداوار سے مستفید ہو رہے ہوں۔[۱]

معاشی ترقی غیر مسلم ماہرین کے نزدیک:

۱۔ پروفیسر آرتھر لیوس:(Prof.W.A Lewis)

"Economic growth reflects an increase in per capita income or production of a country. "[2]

"معاشی ترقی کسی ملک کی فی کس آمدنی یا پیداوار میں اضافہ کو ظاہر کرتی ہے"۔

۲۔ پروفیسر کنڈل برگن:(Prof.kindle bargan)

"Economic development is the name of a process during which a country's real national income increases over a long period of time. If the increase in real national income is greater than the increase in the country's population, then per capita income will also increase."[3]

"معاشی ترقی ایک ایسے عمل کا نام ہے جس دوران کسی ملک کی حقیقی قومی آمدنی میں طویل عرصہ کے دوران اضافہ ہوتا ہے اگر حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ ملک کی آبادی میں اضافہ سے زیادہ ہو تو فی کس آمدنی میں اضافہ ہو جائے گا۔

معاشی ترقی مسلم ماہرین کے نزدیک:

امام ابو یوسفؒ:

"معاشی ترقی سے مراد عوام کی مادی فلاح و بہبود میں اضافہ کرنا ہے جس پر معاشی ترقی استوار ہوتی ہے جس کے لیے ملک میں مختلف تعمیر و ترقی کے وسائل کو بروئے کار لایا جائے جس سے معاشی ترقی ممکن ہو سکے"۔[۴]

۱۔ اسلامی معاشیات، عبد الحمید ڈار، علمی کتب خانہ اُردو بازار، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص: ۱۲۔۱۱

2.Theory of economic growth, W.A Lewis ,(London Press,2007),P:18

3.Economics thoughts, Prof kindle bargan,(Uni of Chicago Press),P:13

۴۔ کتاب الخراج، امام ابو یوسف، مکتبہ ادارۃ المعارف، بیروت، ۱۹۹۸ء، ۱/ ۸۷

شاہ ولی اللہؒ:

"معاشی ترقی سے مراد ان اعمال وافعال کو ادا کرنا ہے جس کے ذریعے انسان کی ضروریات زندگی پوری ہو سکیں اور اس کے علاوہ ان تمام امور کو اپنایا جائے جن سے معاشرے میں خوشحالی پیدا ہو مثلاً معدن، زراعت کی پیداوار میں اضافہ وغیرہ"۔[1]

اسلام میں معاشی ترقی کا تصور:

اسلام میں معاشی ترقی ایک ایسے عمل کا نام ہے جس کے دوران کسی ملک کی حقیقی قومی آمدنی اور فی کس آمدنی کے ساتھ اس میں اضافہ ہو اور اس ملک کے لوگ مادی اور روحانی لحاظ سے اپنے آپ کو ماضی کے مقابلے میں بہتر حالت میں پائیں۔[2] اس تعریف میں عمل سے مراد فنی اور انتظامی قوتوں کا ایسا اشتراک ہے جس کے نتیجے میں ایک طرف تو ملکی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور دوسری طرف معاشرے میں حلال اور ضروری اشیاء کی رسد میں اضافہ اور اُن اشیاء کی طلب میں مناسب تبدیلی ہوتی ہے۔ اسلام نے دوسرے نظام ہائے اقتصادی کے برخلاف ملکی معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ عوام کی آزادی کو بحال رکھنے کی تلقین کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گورنر عبد اللہ بن عمرو بن العاص کو کہا:

(مُذْکُم تعبدتُم النَّاس وَقَدْ وَلَدَتهُم اُمَّھَاتُھُمْ اَحْرَارًا) [3]

ترجمہ: تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے اُن کو آزاد جنا۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿فَلَا ٱقۡتَحَمَ ٱلۡعَقَبَةَ ۝١١ وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا ٱلۡعَقَبَةُ ۝١٢ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝١٣ أَوۡ إِطۡعَٰمٞ فِي يَوۡمٖ ذِي مَسۡغَبَةٖ يَتِيمٗا ذَا مَقۡرَبَةٍ﴾[4]

ترجمہ: سووہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا ہے اور تجھے کیا خبر اونچی گھاٹی کیا ہے کسی گردن کا آزاد کرنا یا بھوک کے دن کھانا کھلانا یتیم کو یا مٹی سے ملے ہوئے مسکین کو۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، المکتبہ السلفیہ پاکستان، لاہور، س ن، ۱/ ۱۱۵

۲۔ اسلامی معاشیات، عبد الحمید ڈار، ص: ۴۲۵

۳۔ امین المحاضرات، محمد امین بن احمد البغدادی، ادارۃ المعارف، بیروت، س ن، ۲/ ۲۱

۴۔ سورۃ البلد: ۹۰/ ۱۰۔۱۵

آیات اسلامی ریاست کے حکمران کے لیے یہ ضروری قرار دے رہی ہیں کہ جہاں عوام کی غربت کو دور کرنا ہے وہاں ہر قسم کی نعمت سے بھی نوازنا ہے، آزادی کو "مسئلہ روٹی" سے پہلے ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے۔ کیونکہ حریت ہی انسانی استعدادوں کو جلا بخشتی ہے۔

گویا اسلام کے نزدیک حقیقی معاشی ترقی وہ ہے جس میں فی کس آمدنی کے اضافے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی آزادی کا خیال رکھا جائے۔ اسلام کے پیش نظر انسان کی فلاح ہے۔ فلاح کا یہ تصور نہ صرف اس دنیا کی زندگی بلکہ انسان کی اخروی زندگی پر بھی محیط ہے۔ قرآن کریم میں مومنین کو بھی یہی دُعا سکھائی گئی ہے کہ:

﴿رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِي ٱلدُّنۡيَا حَسَنَةٗ وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِ حَسَنَةٗ وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ﴾[1]

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور جہنم کے عذاب سے بچا۔

آخرت کے ساتھ ساتھ اس دنیا کی بھلائیوں اور ترقیوں کا حصول بھی ایک فرد اور بحیثیت مجموعی پورے معاشرے کی ذمہ داری ہے دنیا کی زندگی میں فلاح کا حصول معاشی ترقی کے ساتھ منسلک ہے اس لیے اسلام اپنے پیروکاروں کو معاشی جدوجہد میں حصہ لینے، غربت وجہالت کا خاتمہ کرنے اور معاشی ترقی کے دیگر عوامل کی تحقیق وافزائش کے لیے بھرپور ترغیب دلاتا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ:

((كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا))[2]

ترجمہ: فقر انسان کو کفر کے قریب لے جاتا ہے۔

نبی پاک ﷺ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمایا فرماتے تھے کہ اے میرے اللہ میں فقر وفاقہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ یہ نقطہ نظر انسان کو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے سے بچاتا ہے کیونکہ فقر وفاقہ سے بچنے کے لیے انسان ایک طرف تو معاشی جدوجہد کرے گا اور دوسری طرف اپنے اللہ سے کفر کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرے گا۔ اسلام معاشی ترقی کا خواہاں ہے لیکن ترقی کے حصول کی خاطر معاشرتی، اخلاقی اور دینی اقدار کو قربان کر دینے کا حامی نہیں بلکہ اسلام یہ کہتا ہے جو بھی ترقی ہو وہ ان اقتدار کو پیش نظر رکھ کر ہو اور معاشی ترقی کے ساتھ معاشرتی اقدار میں بھی ترقی ہو۔ معاشی ترقی کے ساتھ معاشرے کا ہر فرد روحانی ترقی کی منازل بھی طے کرے اور تقویٰ کے لحاظ سے بھی افراد میں تنزل کے بجائے ترقی نظر آئے۔ یہی معیار اللہ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے:

ا۔ سورۃ البقرۃ:۲/۲۰۱

۲۔ البیهقی فی شعب الایمان، احمد بن حسین البیہقی، حدیث:۱۲۵۱، ۲/۱۵۶

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾ [1]

ترجمہ: بے شک اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا تم میں وہ ہے جو تم میں
زیادہ متقی (پرہیز گار) ہو۔

دورِ جدید میں عِلم معاشیات کی ضرورت واہمیت:

ہر ملک غربت اور پسماندگی کو دور کرکے معاشی ترقی کی راہ ہموار کرنا چاہتا ہے چنانچہ ہر ملک کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا معاشی ڈھانچہ مضبوط ہو اور اس کی مجموعی پیداوار اور روزگار کا معیار بلند ہو، معیشت کا ہر شعبہ ترقی کرتا ہو، ملک اپنی ضروریات پوری کرنے میں خود کفیل ہو، بیرونی قرضوں اور امداد پر اس کا انحصار کم ہو گویا ملک معاشی دوڑ میں آگے نکل رہا ہو یہ تمام چیزیں کسی بھی معیشت کی بنیادی ضروریات ہو سکتی ہیں۔ بین الاقوامی تجارت کا بہت زیادہ انحصار کسی ملک کی ساکھ پر ہوتا ہے گویا اس وقت تک خارجہ تجارتی تعلقات میں فروغ نہیں پاسکتے یہاں تک کہ کسی ملک میں مکمل طور پر سیاسی امن وامان کی ضمانت نہ دی گئی ہو مسلمان ممالک میں معاشی پسماندگی کی وجہ بھی یہی ہے یہاں سیاسی عدم استحکام ہے اور فوج کی مداخلت زیادہ ہے اکثر ممالک میں آمریت ہے جو معاشی ترقی کے لیے سرطان کی حیثیت رکھتی ہے۔[2] معاشی ترقی کے نظریہ کا مطالعہ شخصی اور قومی دونوں سطح پر ضروری ہے کسی بھی معاشرے کے ہر شخص کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنا معیار زندگی بلند کرنے لیے کوشش کرے اور پھر پورے ملک کی معاشی خوشحالی کو بڑھانے میں اپنا موثر کردار ادا کرے معاشی ترقی ہی صرف ایک ایسی چیز ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ کسی ملک کے اقتصادی حالات کیسے ہیں افراد کس حد تک اپنی بنیادی ضروریات پوری کر رہے ہیں ملک کے مختلف شعبہ جات مثلاً زراعت، صنعت، تجارت، بنکاری اور متفرقات کس قدر ترقی کر رہے ہیں گویا معاشی ترقی کے مطالعہ سے کسی ملک کی معیشت کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ ملک معاشی دوڑ میں کس منزل پر پہنچا ہے اور ابھی اس کو کس قدر دوڑ لگانی ہے معاشی ترقی کا مطالعہ کرتے وقت معیشت کے مختلف شعبوں کا جزوی مطالعہ کرنے کا موقع فراہم ہو جاتا ہے اور پھر مختلف شعبوں کے مابین تعلقات کی اہمیت بھی حاصل ہو جاتی ہے معاشی ترقی کو سمجھتے وقت ہمیں یہ علم ہو جاتا ہے کہ ایسے وسائل کو کس قدر استعمال کر رہا ہے کسی معیشت کے برآمدی اور درآمدی شعبوں کی ترقی کے بارے میں بھی علم ہو جاتا ہے ان تمام حقیقتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ معاشی ترقی کا مطالعہ کسی بھی معاشرے کے رہنے والوں کے لیے از حد ضروری ومفید ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر میں معیشت کو بہت زیادہ

۱۔ سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۳

۲۔ اسلام کا معاشی نظام، سید محمد رضی زنگی پوری، ادارہ اصلاح، لکھنؤ، ۲۰۱۲ء، ص: ۳۴۲

اہمیت حاصل ہے جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ جس طرح ابتداء میں انسانی تاریخ کو پتھر اور دھات کے زمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اسی طرح آج کا زمانہ معیشت کا بلکہ نظام ہائے معیشت کی کشمکش کا دور ہے اور صنعت و سائنس کی ترقی نے اس کشمکش کو مزید تیز کر دیا ہے۔ اس موضوع کا ہماری روزمرہ زندگی سے گہرا واسطہ ہے اس لئے معاشرے کا کامیاب فرد بننے کے لئے اس علم سے واقفیت ضروری ہے۔ علم معیشت کے مطالعے سے صنعت و حرفت سازی اور تجارتی معاملات کو جاننے میں سہولت اور آسانی ہوتی ہے۔ ٹیکس کے نظام کو بہتر طور پر جاننے کے لیے بھی اس علم سے واقفیت ضروری ہے۔ معاشرہ میں منصفانہ دولت کی تقسیم کے لیے اِسلامی معیشت ناگزیر ہے۔ پیسے کمانے اور اس کے خرچ کو متوازن رکھنے کے لئے بھی اسلامی معیشت کا جاننا فائدہ مند ہے۔ (۱)

اسلامی معاشیات میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا اور کنجوسی دو انتہائی رویے ہیں جبکہ بہترین راستہ اعتدال جس کی درست راہنمائی اور وضاحت اسلامی معاشیات کا ہی خاصہ ہے۔ اسلامی معاشیات فلاحی پہلو کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہے اس لئے ان کا مطالعہ ضروری ہے۔ بیرونی تجارت، غیر ملکی قرضے اور بیرونی سرمایہ کاری جیسے اہم امور کو جاننے کے لئے بھی اس کا مطالعہ نہایت اہم ہے۔ اسلامی معیشت کی رو سے جدید دنیا کے تمام تر معاشی مسائل کا حل کرنا ممکن ہے۔ معاشیات کا مطالعہ خود میں متعدد خوبیاں لیے ہوئے ہے انہی تمام خوبیوں اور فائدوں کو یہ علم اجاگر کرتا ہے جس سے اس کی اہمیت و طلب ظاہر ہے اس علم معاشیات سے چند علمی اور عملی فائدوں کا حصول ممکن ہے۔ (۲)

ا۔ ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں مدد:

جو شخص علم معاشیات کا مطالعہ کرتا ہے اور پھر اس علم سے مختلف مسائل اخذ کرتا ہے اور پھر ان مسائل کو حل کرنے کے لئے نتائج اور تجاویز فراہم کرے تو اس عمل کی وجہ سے انسان کی ذہنی صلاحیت میں نکھار آتا ہے اور وہ ذہنی ترقی کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ علم معاشیات ایک ایسا علم ہے جو کہ انسان کی پیدائش سے لیکر موت تک جاری رہتا ہے۔ اس علم کو حاصل کیے بغیر انسان کی تعلیم نامکمل ہے۔ علم معاشیات انسان کو روزمرہ کی زندگی میں آگے بڑھنے اور کچھ نیا کرنے کی سوچ دیتا ہے۔ کسی بھی فرد کی دنیاوی زندگی میں سکون وراحت کی خاطر معاشی ترقی ضروری ہے اسی بنا پر کہ دنیا کے کسی کونے میں اگر کوئی معاشی تبدیلی واقع ہو جائے تو پوری دنیا اس کے اثرات سے نہیں بچ سکتی۔ گویا علم معاشیات کا مطالعہ ٹھوس اور تعمیری طرز فکر میں فرد کی مدد کرتا ہے۔ (۳)

ا۔ اقتصادیات اسلام، ڈاکٹر طاہر القادری، مکتبہ منہاج القرآن، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۳۲

۲۔ ایضا

۳۔ ایضا، ص: ۱۳۳

۲۔ نفع ونقصان سے آگاہی:

معاشیات کا علم انسان کو کسی بھی نفع یا نقصان کے بارے میں قبل از وقت آگاہی فراہم کرتا ہے کہ کوئی بزنس یا تجارت شروع کرنی ہو تو اس میں نفع کی کیا صورتیں ہوں گی اور اگر نقصان ہے اس سے کیسے بچا جائے۔

۳۔ وسائل کا عمدہ اور بھرپور استعمال:

اس علم کی بدولت ہم وسائل کا بہترین استعمال کر سکتے ہیں اس کے ذریعے معلوم کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے مقاصد کو کس طرح کم خرچ پر اور تھوڑے وسائل کے استعمال سے پورا کر سکتے ہیں اس علم کی وجہ سے صارف اپنی کم آمدنی کو الگ الگ اشیاء و خدمات پر صرف کر کے بہت سا نفع کما سکتا ہے۔[۱]

۴۔ ملک کو ترقی کے راستے پر گامزن کرنے میں مدد:

معاشیات کا مطالعہ ملکی ترقی کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ حکومت علم معاشیات کی بدولت ہی ٹیکسوں کا نظام مرتب کرتی ہے نئے ٹیکس عائد کرتی ہے درآمدی و برآمدی تجارت کی پالیسی کو وضع کرتی ہے نظام زر کو چلاتی ہے اس طرح بعض قومی اہمیت کی حامل صنعتوں کو اپنی تحویل میں لیتی ہے نیز افراط زر اور تفریط زر کے مسائل کو حل کرنے میں مدد لیتی ہے غرض یہ کہ حکومت کو تمام تر معاشی مسائل کو جاننے اور سمجھنے کا حل تلاش کرنے کے لئے علمِ معاشیات کے اصولوں کو سامنے رکھنا ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کے معاشی استحکام و ترقی کے لئے سرمایہ کاری بہت اہم ہے۔ سرمایہ کاری کی وجہ سے ملک میں میں روزگار کے مواقع میسر آتے ہیں اور بے روزگاری ختم ہوتی ہے اس کی وجہ سے ملکی معیشت میں ترقی آتی ہے معاشیات میں کسی ملک کی ترقی کے لیے بیرونی سرمایہ کاری کی اہمیت بہت بیان کی جاتی ہے یہ معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے اور اس کی رفتار تیز کرتی ہے۔ معاشیات کے مطابق سرمایہ کاری اور محنت دونوں اگر آزادانہ بیرون الممالک حرکت کریں تو معاشی ترقی کی رفتار تیز ترین ہوتی ہے۔ بیرونی سرمایہ کاری کی اہمیت پر مغربی ممالک بہت زور دیتے ہیں تاکہ انہیں ترقی پذیر ممالک میں کھلے مواقع ملیں۔ علم معاشیات کے اصولوں کی بدولت ہی ملکی معیشت کو بہتر بنانے کے لئے سرمایہ کاری کرنے میں مدد ملتی ہے۔[۲]

۵۔ باہمی تعلقات کا استوار ہونا:

اس علم کی بدولت کاروباری افراد میں ہم آہنگی پیدا ہو گی یہ کاروباری افراد میں ہی نہیں بلکہ ممالک کے مابین بھی ہم آہنگی کا ذریعہ بنے گا اور ان کو شعور حاصل ہو گا کہ کس طرح معاشرے کا ایک فرد دیگر معاشرے کے

۱۔ اقتصادیات اسلام، ڈاکٹر طاہر القادری، ص:۱۳۲

۲۔ اسلام اور جدید معاشی تصورات، ڈاکٹر نعیم صدیقی، مکتبہ دانیال، لاہور، س ن، ص:۱۳۷

کاروباری افراد سے رابطہ استوار کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اسی طرح کوئی ایک ملک دوسرے ممالک سے الگ رہ کر اپنی حالت معاش کو بہتر انداز میں قائم نہیں رکھ سکتا۔ آج کل جیسے پاکستان سی پیک کی وجہ معاشی ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

٦۔ منصفانہ تقسیم دولت:

کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لئے نظام عدل کا ہونا ضروری ہے۔ کسی بھی ملک کی بقا اور اس کے مستحکم ہونے کا ضامن ایک ایسا نظام معیشت ہی ہے جس میں ہر طبقہ کو بلا تفریق معاشی سرگرمیوں کا حصہ بننے کے یکساں مواقع حاصل ہوں اور دولت چند ہاتھوں میں جمع رہنے کے بجائے زیادہ ہاتھوں میں پہنچ جائے۔[۱]

۱۔ اسلام اور جدید معاشی تصورات، ڈاکٹر نعیم صدیقی، ص: ۱۳۴

خلاصہ بحث:

معاشیات سے مراد ایسے ذرائع کا استعمال ہے جس کے ذریعے حصول رزق کا عمل مکمل کیا جاسکے جبکہ اسلامی نقطہ نظر سے معیشت سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے معاشی مسائل کا اسلامی اقدار کی روشنی میں مطالعہ کرنا ہے۔اسی طرح معاشی ترقی سے مراد کسی ملک کی فی کس آمدنی یا پیداوار میں اضافہ ہے۔فی کس آمدنی سے مراد کسی ملک کے افراد کی اوسط سالانہ آمدنی کو کہتے ہیں۔ جس سے عوام آزادانہ طور پر مستفید ہو رہے ہوں۔

(پاکستان کی فی کس آمدنی 1196ڈالر ہے جو کہ پاکستانی 1,84184روپے ہے) [1] جبکہ کسی بھی ملک کی فی کس آمدنی ۱۰ ہزار ڈالر سے زیادہ ہو تو وہ ملک معاشی طور پر ترقی یافتہ کہلاتا ہے۔اسلام کا معاشی تصور ایسے عمل کا نام ہے جس میں کسی ملکی کی حقیقی قومی آمدنی یا فی کس آمدنی میں اضافہ ہو اور لوگ ہر لحاظ سے اپنے آپ کو ماضی کے مقابلے میں بہتر حالت میں پائیں۔

اسلام فرد کو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کی بجائے ملکی معیشت میں اپنا حصہ ڈالنے کی ترغیب دیتا ہے رسول اللہ ﷺ بھی کفر اور فقر کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔کسی ملک کی مضبوط ساکھ کی بنیاد معاشی ترقی پر ہوتی ہے۔معاشی ترقی کے حصول میں ہر شعبہ خواہ وہ تجارت ہو یا زراعت یا کوئی اور ذریعہ معاش ان سب کا اپنے طور پر ترقی کرنا ضروری ہے اور ان شعبوں میں ترقی کی راہ پر گامزن ہونا علم معاشیات کے مطالعے کے بغیر ممکن نہیں۔علم معاشیات جہاں دولت کمانے کے ذرائع کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہیں اسلامی معیشت دولت کمانے کے لیے اعتدال کی راہ اختیار کرنے اور دولت کی منصفانہ تقسیم پر زور دیتا ہے۔علم معاشیات کے مطالعے سے بہت سے علمی و عملی فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلا اس کے ذریعے سے ذہنی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔کاروباری افراد کے ساتھ ساتھ مختلف ممالک کے درمیان بھی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔نیز علم معاشیات کے مطالعے کے ذریعے سرمایہ کاری میں بھی مدد ملتی ہے جس کی بدولت روزگار کے مواقع میسر آتے ہیں اور بے روزگاری ختم ہوتی ہے۔گویا کہ علم معاشیات کے اصولوں کی بدولت ہی ملکی معیشت کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جاسکتا ہے۔

1.http.www.tradingeconomics.com,updated 17 feb ,2020,2:30am

فصل دوم

معاشی ترقی کے بارے میں قرآن وحدیث کے راہنما اُصول

فصل دوم:

معاشی ترقی کے بارے میں قرآن وحدیث کے راہنما اُصول

قرآن مجید کی مختلف آیات میں معاشی خوشحالی اور معاشی جدوجہد کے لیے ترغیبات دی گئی ہیں انفرادی معیشت میں سب سے پہلی منزل کسبِ معیشت اور رزق کی تلاش ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق ہر فرد کا معیشت کی خاطر جدوجہد کرتے رہنا ضروری ہے۔ دنیا عمل کا میدان ہے اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر رزق کے ذخیرے جمع کیے ہیں مگر ان کی تلاش کے لئے کوشش کرنا شرط ہے۔

۱۔ تلاشِ رزق:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر جائز تجارت کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے منافع کو اپنے فضل سے تعبیر فرمایا ہے جس سے اس عمل کی اہمیت وبرکت کو سمجھا جاسکتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُواْ فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ﴾ (۱)

ترجمہ: تم پر کسی بھی قسم کا کوئی گناہ وحرج نہیں کہ تم اپنے ربّ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔

اسی طرح فرمایا:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ ٱلصَّلَوٰةُ فَٱنتَشِرُواْ فِى ٱلْأَرْضِ وَٱبْتَغُواْ مِن فَضْلِ ٱللَّهِ﴾ (۲)

ترجمہ: پھر جب نماز مکمل ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جائز طریقہ سے کسبِ معاش بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور کاروبار تجارت میں اسلامی احکام، شرائط وضوابط کو مدِّ نظر رکھا جائے تو یہ عمل بھی عبادت ہے اور اس کا دنیاوی ثمرہ، فوائد ومنافع کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سائل نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے پاکیزہ وبہترین ذریعہ معاش کونسا ہے؟

۱۔ سورۃ البقرۃ:۲/ ۱۹۸

۲۔ سورۃ الجمعہ:۶۲/ ۱۰

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ))[1]

ترجمہ: جو کام آدمی اپنے ہاتھ سے کرے یا وہ تجارت شرعی طور پر صحیح ہو۔

بہترین ذریعہ معاش ہاتھ کی کمائی کو کہا گیا ہے جو شرعی لحاظ سے جائز ہو اور اس میں امانت و صداقت کو ملحوظِ خاطر رکھ کر کیا جائے۔ اس میں، جھوٹ، دھوکہ، خیانت، زیادتی اور حرام کا شائبہ تک نہ ہو۔ حدیثِ مذکور سے جائز تجارت کی فضیلت واضح ہو جاتی ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تجارت کو سب سے پاکیزہ و بہترین قرار دیا ہے۔ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابن عمر، ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ:

((اَلتَّاجِرُالصُّدُوْقُ الْأَمِيْنَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ))[2]

ترجمہ: سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ تَعۡبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ لَا يَمۡلِكُونَ لَكُمۡ رِزۡقٗا فَٱبۡتَغُواْ عِندَ ٱللَّهِ﴾[3]

ترجمہ: جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں لہذا تم ڈھونڈو اللہ کے ہاں رزق کو۔

﴿وَءَاخَرُونَ يَضۡرِبُونَ فِي ٱلۡأَرۡضِ يَبۡتَغُونَ مِن فَضۡلِ ٱللَّهِ﴾[4]

ترجمہ: اور کتنے لوگ ہیں جو گھومتے ہیں زمین میں اللہ تعالی کے فضل کو تلاش کرتے ہوئے۔

ان آیات کے پیشِ نظر جب کوئی شخص کسبِ معاش کے اقدام اٹھائے تو اسے یہ آزادی حاصل ہے کہ اپنی معیشت کے حصول میں جو بھی طریقہ چاہے اختیار کرے نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے؟ بلکہ اس انفرادی جد وجہد میں اس کو چند ایسے اُصول کا پابند بنایا گیا ہے کہ جو نظامِ معیشت کو فاسد ہونے سے بچاتے اور صاحبِ معیشت کی زندگی کو معاشی رفاہیت کے ساتھ ساتھ دینی اور اخلاقی رفعت عطا کرتے ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، باب کسب الرجل وعمل بیدہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء، حدیث: ۱۹۳، ۱/۶۴

۲۔ جامع ترمذی، محمد بن عیسی الترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی التجار، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۲۰۰۹ء حدیث: ۱۱۷۱، ۱/۱۵۳

۳۔ سورۃ العنکبوت: ۲۹/۱۷

۴۔ سورۃ المزمل: ۷۳/۲۰

چنانچہ اس کو حکم فرمایا کہ وہ اپنی انفرادی معیشت میں ہمیشہ دو اصول پیش نظر رکھے۔

۱۔ پہلا اصول یہ ہے کہ جو حاصل کیا جائے وہ حلال اور جائز ہو۔

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ جن ذرائع سے حاصل کیے جائیں وہ پاکیزہ ہوں۔

۲۔ کسب مال میں حلال اور حرام کا امتیاز:

قرآن مجید اپنے بندوں پر یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ دولت صرف حلال طریقوں سے حاصل کی جائے اور حرام طریقوں سے اجتناب کیا جائے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَـٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ﴾ (۱)

ترجمہ: اے لوگو جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے پاکیزہ اور حلال کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی اتباع نہ کرو بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

حلال کھانے کے بارے میں اللہ رب العزت حکم فرماتا ہے کہ حلال لقمہ کھاؤ اور نیک اعمال بجالاؤ اور حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا:

(اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلاَّ طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ) (۲)

ترجمہ: اے لوگو: اللہ کی ذات پاک ہے وہ صرف پاک چیز کو ہی قبول فرماتا ہے۔ اللہ نے ایمان والوں کو بھی وہی حکم فرمایا ہے جو رسولوں کو دیا ہے۔ کہ اے رسولو! پاک چیز کھاؤ اور نیک کام کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنی والدہ کے مال میں سے کھاتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اللہ کی طرف کھانا عطا کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مریم کی بزرگی اور ان کی کرامت بیان فرماتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی ان کے پاس ان کے حجرے میں جاتے تو بے موسمی میوے ان کے پاس پاتے مثلاً جاڑوں میں گرمیوں کے میوے اور گرمیوں میں جاڑے کے میوے حضرت زکریا علیہ السلام ایک دن پوچھ بیٹھے کہ مریم تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے؟ حضرت مریم نے جواب دیا کہ اللہ کے پاس سے، وہ جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ (۳) حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کا کھایا کرتے تھے۔ انبیاء صرف حلال کھاتے ہیں اور صرف نیک عمل کرتے ہیں۔

۱۔ سورۃ البقرۃ: ۲/ ۱۶۸

۲۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء، حدیث: ۱۰۱۵، ۲/ ۱۵۳

۳۔ تفسیر ابن کثیر، حافظ عماد الدین، تفسیر آیت: ۳۷، آل عمران، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۱ء، ۱/ ۳۴۲

جیسے فرمان باری تعالی ہے:

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَٰلُهُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَٰفِرُونَ﴾[1]

ترجمہ: تجھے ان کے مال واولاد دھوکے میں نہ ڈالیں اللہ تعالی کی منشاء تو یہ ہے کہ اس سے انہیں دنیامیں عذاب کرے۔ اور ان کے کفر ہی کی حالت میں جانیں نکل جائیں۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾[2]

ترجمہ: اے پیغمبر و کھاو پاکیزہ چیزوں میں سے اور کرو نیک عمل بلاشبہ جو تم عمل کرتے ہو میں اس کا جاننے والا ہوں۔

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ﴾[3]

ترجمہ: اور (نبی اُمی) حلال رکھتے ہیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں خبیث چیزیں۔

اِن آیات میں حلال اور طیب کا ذکر کرتے ہوئے سخت تاکید کی گئی ہے کہ شیطان کے قدموں کی پیروی نہیں کرنی چاہیئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

((اذا صليتم الفجر فلا تناموعن طلب ارزاقكم))[4]

ترجمہ: جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی جدوجہد کے بغیر نیند (آرام) کا نام نہ لو۔

ایک اور روایت میں سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من الذنوب ذنوبا لا يكفرهَاالاالهُمْ فِي طلب المعيشة))[5]

ترجمہ: بعض گناہوں میں سے ایسے گناہ جس کا کفارہ صرف طلب معیشت

۱۔ سورۃالتوبہ:۹/۵۵

۲۔ سورۃالمؤمنون:۲۳/۵۱

۳۔ سورۃالاعراف:۷/۱۵۷

۴۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، مکتبہ مؤسسۃالرسالۃ، بیروت، ۱۹۶۷ء، حدیث: ۱۸۶۸، ۲/۱۵۲

۵۔ جامع ترمذی، محمد بن عیسی الترمذی، باب اخذ المال، حدیث:۱۱۷۳، ۱/۱۵۷

کی فکر اور جد وجہد میں کاوش ہی ہو سکتا ہے۔

ابتغاء رزق اور کسب معاش کو ضروری قرار دینے کے بعد اسلام یہ چاہتا ہے کہ فرد حصول معیشت میں جو طریقہ اختیار کرے وہ ایسا نہ ہو کہ جو نظام معیشت کو فاسد کر دے۔ چناچہ کسب معیشت میں دو اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے۔ ایک یہ کہ جو حاصل کیا جائے وہ "حلال" ہو اور دوسرا یہ کہ جن طریقوں سے حاصل کیا جائے وہ "طیب" ہو۔

۳۔ وسائل سے بھرپور استفادہ:

معاشی نظام کی بدولت ہم وسائل کا بہترین استعمال کر سکتے ہیں اس کے ذریعے معلوم کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے مقاصد کو کس طرح کم خرچ پر اور تھوڑے وسائل استعمال کر کے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں اِس علم کی بدولت صارف اپنی کم آمدنی کو مختلف چیزوں پر صرف کر کے زیادہ نفع کما سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿هُوَ ٱلَّذِيٓ أَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءٗۖ لَّكُم مِّنۡهُ شَرَابٞ وَمِنۡهُ شَجَرٞ فِيهِ تُسِيمُونَ يُنۢبِتُ لَكُم بِهِ ٱلزَّرۡعَ وَٱلزَّيۡتُونَ وَٱلنَّخِيلَ وَٱلۡأَعۡنَٰبَ وَمِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَأٓيَةٗ لِّقَوۡمٖ يَتَفَكَّرُونَ﴾[1]

ترجمہ: وہی (خدا) ہے جو تمہارے فائدہ کے لئے آسمان سے پانی برساتا ہے جسے تم پیتے بھی ہو اور اس سے اُگے ہوئے درختوں سے تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو، اس سے وہ تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بیشک ان لوگوں کیلئے تو اس میں نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

کسی علاقے میں درختوں کی موجودگی اس علاقے کی زمین کی زرخیزی کی ضامن ہے۔ درخت مسلسل مٹی اور زمین کو پانی فراہم کرتے رہتے ہیں جس سے وہ بنجر نہیں ہونے پاتی اور اس کی زرخیزی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ موجودہ جدید ترین سائنس سے درخت لگانے کے ۶۰ مثبت فوائد دریافت کئے گئے ہیں۔ مثلاً ایک درخت سے یہ نفع حاصل ہوتا ہے کہ اس درخت سے ۱۱۸ افراد کی ایک سال کی آکسیجن کی ضرورت پوری کرتے ہیں، لکڑی سے غریب لوگوں کے ایندھن کے علاوہ انسانوں، حیوانوں اور پرندوں کی خوراک پوری ہو جاتی ہے۔ درخت لگانے سے سیلاب کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔ درخت قحط اور خشک سالی سے بچاتے ہیں۔ اور بادلوں کی تشکیل کا باعث بنتے ہیں۔

۱۔ سورۃ النحل: ۱۶/۱۰۔۱۱

درخت ذہنی تناؤ کا خطرہ کم کرتے ہیں۔ درختوں کے سائے سے دیہاتوں اور گاؤں کے لوگ اور مسافر فائدے اٹھاتے ہیں، درخت ماحول میں خوبصورتی پیدا کرتے ہیں۔ درختوں کی لکڑی، اس کا سایہ اور پھل انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھے جاتے ہیں اسی لیے نبی کریم ﷺ نے عام درختوں اور پھل دار درختوں کی کاشت کی تلقین وترغیب دی۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَامِنْ مُسلِمٍ یَغرِسُ غَرْسًا اِلاَ کَانَ مَا اَکَلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَه وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌوَمَا اَکَلَ السَبُعُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ مَا اَکَلَتِ الْطَیرُ فَهُوَ لَه صَدَقَةٌ))[1]

ترجمہ: جو مسلمان درخت لگائے اس میں سے جو کچھ پرندے کھائیں وہ صدقہ ہے اور جو کچھ کوئی شخص اس میں سے لیتا ہے وہ بھی صدقہ ہے۔

خلاصہ حدیث ہے کہ درخت لگانا ثواب ہے اور اس سے جو بھی فائدہ اٹھاتا ہے وہ مالک کی طرف سے ہوتا ہے اس طرح خیر اور نیکی کے فطری جذبہ کو ابھار کر اور ثواب کی تحریص سے شجر کاری کی ترغیب دی گئی۔

۴۔ دولت کی مساویانہ تقسیم:

اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم چاہتا ہے ملکی معیشت کی ترقی کے لئے ملک میں ایک ایسا نظام معیشت کا ہونا ضروری ہے کہ جس میں ہر شخص کو بلا تفریق ملکی معیشت میں اپنا حصہ ڈالنے کے برابر مواقع حاصل ہوں اور ملک کی جو دولت ہے وہ چند ہاتھوں میں ہی محدود نہ رہے بلکہ زیادہ ہاتھوں تک پہنچ جائے۔ معاشی جدوجہد اور ترقی کے راستے سب کے لئے یکساں ہوں اور ہر فرد اپنی کمائی ہوئی دولت کے ذریعے اپنی معیشت میں ترقی کر سکے۔ اسی طرح سے جب ملک کے ہر صوبے میں دولت کو برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا تو ملک میں معاشی ترقی اور خوشحالی آئے گی۔ دولت کی مساویانہ تقسیم قائم رکھنے اور معاشرے میں مساوات کو یقینی بنانے کے مقصد سے زکوۃ فرض کی گئی، جس کا اصول ہے کہ زکوۃ مال داروں سے وصول کی جائے اور غریبوں کو ادا کی جائے۔ اسلام غنی اور مال دار کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنا زائد اور اضافی مال راہِ خدا میں خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرے اور اخلاقی عظمت حاصل کرے۔ اسلام نے ہر قسم کی ملکیت کا ایک معیار مقرر کر دیا ہے، جس کے پاس بھی اس معیار سے زیادہ دولت پائی جائے گی اس سے ہر سال زکوۃ کا لازمی حصہ وصول کیا جائے گا۔ اگر کوئی ملک صحیح معنوں میں اسلامی نظامِ زندگی کو قبول کر کے نافذ کر لے تو وہاں افلاس، غربت اور دیگر معاشی جرائم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ نظام زکوۃ دولت کے سمٹاؤ کو روک کر اس کا بہاؤ معاشرہ کے کمزور افراد کی طرف کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ، صدقات و خیرات کی خوب ترغیب

۱۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، حدیث: ۱۲۴۲، ۲/ ۲۴۲

دی گئی اور مختلف قسم کے کفارات اور فدیوں کی ایسی صورت تجویز کی گئی۔ جس سے غریب افراد کی مدد اور حاجت روائی کا سامان بھی پیدا ہو گیا۔[۱] حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

((ان رَسُوْل لله نهي استجارة الاجير حتي بين لَه اجره))[۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مزدور سے کام لینے سے منع فرمایا ہے تا آنکہ اس کی اجرت واضح کر دی جائے۔

پھر آپؐ کا معمول تھا کہ کسی کو اس مزدوری کم نہ دیتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں ان کا دشمن ہوں گا، ان میں سے ایک وہ ہے جو کسی مزدور کو اجرت پر رکھے اور اس سے پورا کام لے لے اور اجرت نہ دے۔ مزدور کی اجرت جلد سے جلد ادا کر دینی چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

((اعطوالاجير اجره قبل ان يجف عرقه))[۳]

ترجمہ: مزدور کو اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

۵۔ اعتدال:

معاشی ترقی کے اہداف حاصل کرنے کے لئے اعتدال اختیار کرنا ضروری ہے۔ قرآن مجید انسان کو اِعتدال پسندی کی تاکید کرتا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ إِذَآ أَنفَقُواْ لَمۡ يُسۡرِفُواْ وَلَمۡ يَقۡتُرُواْ وَكَانَ بَيۡنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا﴾[۴]

ترجمہ: اور یہ وہ لوگ ہیں جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور یہ ان کا خرچ (زیادتی اور کمی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر مبنی ہوتا ہے۔

صَرف و خرچ میں بے جا فضول خرچی معاشی تباہی کی نشانیاں ہیں۔ اس لیے "اقتصاد" اور میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے مثلاً روز مرہ کی زندگی میں ہر گز ایسا نہ کیا جائے کہ خرچ آمدنی سے زیادہ ہو جائے اور پھر حاجت کے وقت لوگوں سے مدد مانگنی پڑے بلکہ حتی الامکان اس کی سعی کرنی چاہیئے کہ ان تمام اجتماعی حقوق کی ادا کے ساتھ ساتھ جو مالداری کی حالت میں خدا تعالی نے اس پر عائد کیے ہیں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حاجات و ضروریات کے

۱۔ اسلام اور جدید معاشی تصورات، ڈاکٹر نعیم صدیقی، مکتبہ دانیال، لاہور، س ن، ص:۱۲۱

۲۔ صحیح بخاری، امام بخاری، کتاب الاجرة، حدیث:۱۲۴۰، ۱/۲۴۱

۳۔ ایضا، حدیث: ۱۲۴۱

۴۔ سورۃ الفرقان:۲۵/ ٦۷

لیے کچھ پسِ انداز ہو نیز یہ بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ بخل کو کام میں لائے اور خود اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے اللہ کی طرف سے دیا ہوا مال ہونے کے باوجود معیشت کو تنگ کرے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ الاِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ))(۱)

ترجمہ: نبیؐ نے فرمایا خرچ میں میانہ روی نصف معیشت ہے۔

((عَنْ كَعْبٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ:اَمْسِکْ عَلَيْکَ بَعْضُ مَالِکٍ فَهُوَ خَيْرٌ لَکَ قُلْتُ اَمْسِکْ مُسَهْمِيَ الَّذِیْ بِخَيرٍ)) (۲)

ترجمہ: حضرت کعب فرماتے ہیں نبی کریمؐ نے فرمایا اپنے مال سے کچھ حصہ رکھ لو یہ تمھارے حق میں اچھا ہے تب میں نے کہا خیبر میں جو میرا حصہ ہے وہ میں نے رکھ لیا ہے۔

۶۔ دولت خرچ کرنے اور اسراف سے بچنا:

کسبِ حلال کے بعد دوسرا مسئلہ صَرف و خرچ کا ہے کہ جو مال کمایا ہے اُسے کس طرح خرچ کرنا ہے؟

۱۔ کیا خرچ کیا جائے؟

۲۔ کس قدر خرچ کیا جائے؟

۳۔ کن پر خرچ کیا جائے؟

سب سے پہلے اِس موضوع پر کریں گے کہ کیا خرچ کیا جائے؟

تو اس سوال کے جواب میں کہا جائے گا کہ انسان کو کسبِ معاش یعنی حلال مال کمایا ہے اُسے خرچ کیا جائے۔ کس قدر خرچ کیا جائے؟ اِس سوال کے جواب میں قرآن مجید میں ارشادات بیان ہوئے ہیں وہ دو حصوں پر منقسم ہیں۔

۱۔ انفرادی زندگی۔

۲۔ اجتماعی زندگی۔ (۳)

قرآن مجید میں اللہ کا فرمان ہے کہ:

﴿وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ وَلَا تُسْرِفُوٓا۟ ۚ﴾ (۴)

ترجمہ: کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔

۱۔ البیہقی، احمد بن حسین، حدیث: ۱۱۶۲، ص: ۱۳۵

۲۔ صحیح بخاری، امام بخاری، حدیث: ۱۷۶۲، ۱/ ۲۱۵

۳۔ اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، شیخ الہند اکیڈمی، کراچی، ۲۰۱۴ء، ص: ۱۳۶

۴۔ سورۃ الاعراف: ۷/ ۳۱

﴿وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيرًا إِنَّ ٱلۡمُبَذِّرِينَ كَانُوٓاْ إِخۡوَٰنَ ٱلشَّيَٰطِينِ﴾ [1]

ترجمہ: اور حد سے تجاوز مت کرو بے شک حد سے تجاوز کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

اوپر بیان کردہ آیات میں اپنی جائز اور حلال کمائی کے صرف کرنے کو دو شرائط کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ ۱۔اسراف نہ ہو، ۲۔ تبذیر نہ ہو۔اور صاحبِ روح المعانی آیت ﴿**كلوا من طيبٰت ما رزقنكم ولا تطغوا فيه**﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں **ولا تطغوا فيه** کا مطلب ہے کہ خدا نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس کی ناشکری نہ کرو اور مال کو اسراف، غرور اور خدا کے احکام کی خلاف ورزی اور حقوق واجبہ کے تلف کا ذریعہ نہ بناو۔ صرفِ مال کا دوسرا حصہ اجتماعی معیشت سے متعلق ہے جس کی تفصیل یہ ہے اجتماعی معیشت کا تعلق حکومت اور فرائض، حکومت سے وابستہ ہے۔[2] تاہم ہر شخص اسی گروہ کا حصہ گویا یہ مسئلہ شخصی اور اجتماعی معیشت دونوں میں مذکور ہوا ہے۔ قرآنِ عزیز نے افرادِ ملت کو جگہ جگہ اُس جانب توجہ دلائی ہے اور نظامِ معیشت میں خاص مقام دیا گیا ہے اور زکوۃ، وراثت کے احکام کے علاوہ انفاق کے نام سے واضح بیان کیا گیا ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَءَاتِ ذَا ٱلۡقُرۡبَىٰ حَقَّهُۥ وَٱلۡمِسۡكِينَ وَٱبۡنَ ٱلسَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيرًا﴾ [3]

ترجمہ: اور قرابت والوں اور مساکین اور راہ گیروں کو اُن کا حق دو اور اسراف اور تبذیر نہ کرو۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے صراحت سے فرمادیا کہ:

((نَهي رَسُولَ الله عن اضاعة المال)) [4]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع کیا ہے۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے:

۱۔ سورۃ بنی اسرائیل:۱۷/۲۶۔۲۷

۲۔روح المعانی، علامہ شہاب الدین آلوسی، تفسیر سورۃ طٰہٰ، آیت:۸۱، دار الحدیث، قاہرہ، ۴/۳۲۵

۳۔ سورۃ بنی اسرائیل:۱۷/۲۶

۴۔ صحیح بخاری، امام بخاری، حدیث: ۸۴۶، ۱/۴۵

((قيل وقال،واضاعة المال،وكثرة السوال))[1]

ترجمہ: قیل وقال کرنا،مال ضائع کرنااور کثرت سے سوال کرنا۔

محدثین نے مال کو ضائع کرنے کا معنی یہ لکھا ہے:

اضاعت مال سے مراد مال کو غیر شرعی طور پر صرف کرنااور بے جا تلف کرنا ہے، ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاشرہ میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کے مترادف ہے اور حق تعالیٰ فساد کرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں۔علاوہ ازیں جب کوئی شخص اپنامال ضائع کردے گاتو پھر وہ کسی دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کی فکر میں لگ جائے گا۔

۷۔احتکار واکتناز کی ممانعت:

عربی میں ذخیرہ اندوزی کے لیے لفظ احتکار استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں چیزوں کو روک لینا۔احتکار یہ ہے کہ قیمتوں کو چڑھانے کی غرض سے مال کی رسد کو روک لیا جائے یعنی بازار میں کسی چیز کی مانگ ہو وہ چیز موجود ہو لیکن فروخت نہ کی جائے۔اسلام کے معاشی نظام میں احتکار واکتناز سے منع کیا گیا ہے کیونکہ احتکار واکتناز کی وجہ سے دولت پھیلنے اور تقسیم ہونے کی بجائے سمٹ کر خاص حلقوں اور مخصوص طبقوں میں محدود ہو جاتی ہے۔جس کی وجہ عام انسانی زندگی تباہ وبرباد ہو کر رہ جاتی ہے۔اکتناز واحتکار کی حرمت کو قرآن میں یوں بیان کی گئی ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ﴾[2]

ترجمہ: اور جو لوگ خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو، جس روز کہ اس مال پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی پھر اس سے داغی جائیں گی ان کی پیشانیاں، پہلو اور ان کی پیٹھ (اور یہ کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے واسطے گاڑ کر رکھا تھا اور چکھو مزہ اپنے گاڑنے کا۔

﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾[3]

ترجمہ: ایسا نہ ہو کہ مال ودولت صرف دولت مندوں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔

۱۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج،باب اسراف والتبذیر،حدیث: ۱۲۵۴، ۲/۱۵۶

۲۔سورۃ التوبہ:۹/۳۵،۳۴

۳۔سورۃ الحشر:۵۹/۷

قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ مال صرف مالداروں ہی میں گھومتا رہے، یا امیر روز بروز امیر تر اور غریب روز بروز غریب تر ہوتے چلے جائیں۔

قرآن مجید میں اس پالیسی کو صرف بیان ہی کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اسی مقصد کے لیے سود حرام کیا گیا ہے، زکوٰۃ فرض کی گئی ہے، اموال غنیمت میں خمس نکالنے کا حکم دیا گیا، صدقات نافلہ کی جگہ جگہ تلقین کی گئی ہے، مختلف قسم کے کفاروں کی ایسی صورتیں تجویز کی گئی ہیں جن سے دولت کے بہاؤ کا رخ معاشرے کے غریب طبقات کی طرف پھیر دیا جائے، میراث کا ایسا قانون بنایا گیا ہے کہ ہر مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائرے میں پھیل جائے، اخلاقی حیثیت سے بخل کو سخت قابل مذمت اور فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا ہے خوشحال طبقوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ ان کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے جسے خیرات نہیں بلکہ ان کا حق سمجھ کر ہی انہیں ادا کرنا ہے۔ جو تاجر ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کرے اور پھر مارکیٹ میں اپنا مال اپنی مرضی کی قیمت پر فروخت کرے، اسے خطاکار اور ملعون قرار دیا گیا ہے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنِ احْتَكَرَ يُرِيْدُ أَنْ يَتَعَالي بِهَا عَلَي الْمُسْلِمِيْنَ فَهو خَاطِي)) (۱)

ترجمہ: جس نے ذخیرہ اندوزی اس ارادہ سے کی کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر اس چیز کی قیمت چڑھائے خطاکار ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

((اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ)) (۲)

ترجمہ: تاجر کو (اللہ تعالی کی طرف سے) رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا لعنتی ہے۔

اسلام کے قانونِ تجارت نے ذخیرہ اندوزی کی تمام ممکنہ صورتوں کو بھی مردود قرار دیا ہے۔ غرض احتکار یا ذخیری اندوزی ایک ایسی معاشی بیماری ہے جس میں احتکار کرنے والا صرف یہی نہیں کہ معاشرے کے دوسرے افراد کو نقصان پہنچانے کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ اس طرح وہ پوری ملکی معیشت کو فساد کی راہ پر لگاتا ہے اور بازار کی فطری روش میں خلل انداز ہو کر مجموعی طور پر پورے معاشرے کو مصائب سے دوچار کرنے کا سبب بنتا ہے۔

۱۔ مستدرک علی الصحیحین، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم، کتاب البیوع، مکتبہ قدیمی، کراچی، حدیث: ۲۱۱۱، ۲/ ۱۴۵

۲۔ سنن ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، باب الحکرۃ والجلب، دار الجیل، بیروت، حدیث: ۲۱۵۳، ۳/ ۵۱۸

خلاصہ بحث:

اس فصل میں جہاں حصول رزق کے لیے قرآن کے راہنما اصول بیان کئے گئے ہیں وہیں ان اصولوں کو اپنانے کے نتیجے میں حاصل ہونے والے نتائج کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن سب سے پہلے کسی بھی فرد کے لیے حصول رزق یا تلاش رزق پر زور دیتا ہے جس کے لیے تمام قدرتی وسائل کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے اس کے علاوہ دیگر جائز ذرائع و وسائل سے استفادہ بھی کیا جائے جس سے رزق کا حصول ممکن ہو سکے۔ اسی طرح قرآن و حدیث میں کسب مال کے لیے حلال و حرام میں امتیاز کی تمام صورتوں کی وضاحت بھی کی گئی ہے اور وسائل کے بھرپور اور عمدہ استعمال پر بھی زور دیا گیا ہے۔

قرآن و حدیث میں صرف دولت کے حصول کی طرف ہی ترغیب نہیں دی گئی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دولت کی مساویانہ تقسیم پر بھی زور دیتا ہے کہ انسان اپنے کمائے ہوئے مال کا ایک حصہ ان لوگوں کی طرف پھیر دے جن کے پاس وسائل کی کمی ہو جس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ مال ایک جگہ جمع ہونے کی بجائے گردش کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح قرآن و حدیث میں مال خرچ کرتے ہوئے اسراف و تبذیر سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے نیز قرآن و حدیث میں جہاں مال خرچ کرنے والوں کے لیے اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے وہیں مال خرچ کرنے میں اسراف کرنے اور حد سے بڑھنے والوں اور بخل کرنے والوں کے لیے وعید سنائی ہے۔

فصل سوم

معاشی ترقی کے ذرائع

فصل سوم:

معاشی ترقی کے ذرائع

معاشی ترقی سے مراد ایسا عمل ہے جس کے تحت کوئی بھی ملک اپنے ذرائع کو بھرپور طریقے سے اس طرح استعمال کرتا ہے جس کے نتیجے میں ملک کے عوام کی حقیقی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا ہے معاشی ترقی کے لیے کسی بھی ملک کے پاس موجود دولت و سرمائے کے اصل ذخائر اور اثاثوں کو ملکی معاشی ترقی کا اہم عنصر گردانا جاتا ہے ۔قدرتی اثاثوں میں زرعی زمین، تیل، معدنیات، گیس اور کوئلے وغیرہ کے ذخائر شامل ہوتے ہیں اسی طرح معاشی ترقی کے ذرائع میں مصنوعی اور انسانی ذرائع بھی شامل ہیں۔ چونکہ معاشی ترقی کا زیادہ تر انحصار قدرتی وسائل پر کیا جاتا ہے جو کہ غلط ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ صرف قدرتی وسائل پر اکتفانہ کیا جائے بلکہ ان وسائل کا دانشمندی سے استعمال کیا جائے اور اپنی معیشت کو چلتا رکھنے اور مضبوط بنانے کے لیے ان وسائل پر مکمل طور پر انحصار کرنے کی بجائے دیگر ذرائع بھی دریافت کیے جائیں کیونکہ قدرتی وسائل سے جتنا بھی فائدہ لیا جائے انہیں ختم ہونا ہی ہوتا ہے۔

ا۔ زراعت:

کسی بھی ملک کو معاشی طور پر مضبوط ہونے کے لئے زراعت میں ترقی کرنا ضروری ہے۔ زندگی بسر کرنے کے لیے جن بنیادی اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے ان میں خوراک، لباس اور رہائش شامل ہیں۔ چونکہ ان اجزا کا براہِ راست تعلق زراعت سے ہی ہے۔ زراعت کا شعبہ عوام کی بنیادی ضروریات کو ہی پورا نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے علاوہ مختلف شعبوں میں عوام کے زندگی کا معیار اونچا کرتا ہے، اور ملکی معیشت کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زرعی ترقی کے بغیر ملک میں معاشی ترقی کا ہونا ناممکن ہے۔ پاکستان کی ترقی زراعت میں ہے. زرعی ترقی سے نہ صرف ملکی دولت میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اس سے عوام کے کاروبار کو بھی چار چاند لگ جاتے ہیں اور ان کی طرز زندگی میں بھی نمایاں تبدیلیاں رونما ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ہماری گنے کی فصل بہتر ہوگی تو شوگر انڈسٹری کو خام مال میسر ہوگا اسی طرح خام مال کو کھیتوں سے انڈسٹری تک پہنچانے کے لئے مزدوروں کی ضرورت ہوگی، راستوں کی ضرورت ہوگی، اسی طرح فصل زیادہ ہونے کی صورت میں زیادہ تعداد میں مزدور چاہیے ہوں گے تو اس کافی سارے لوگوں کو روزگار میسر آئے گا اور اندسٹری میں بھی ترقی ہوگی۔ معاشی استحکام سے عوام خوش رہتے ہیں اور ان کا معیار زندگی بھی بلند ہو جاتا ہے۔ عوام کو ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ کاروبار اور روزگار ملنے لگتا ہے تو وہ معاشرتی برائیوں اور ناجائز ذرائع آمدنی سے بھی بچ جاتے ہیں۔[1]

ا۔ ڈان نیوز، عشرت حسین، زراعت ترقی وخوشحالی کی ضامن، (کالم)، ۱۳ جنوری ۲۰۱۷ء

زرعی شعبے کی اعلی اور بہترین پیداوار حاصل ہونے کی صورت میں ملکی معیشت میں بہتری آتی ہے۔
زراعت میں متعدد شعبے پائے جاتے ہیں۔

گلہ بانی:

مویشی بانی (Livestock) زراعت کا اہم جز ہے جس کا ملک پاکستان کی معیشت میں ۱۲ فی صد حصہ ہے اور پندرہ لاکھ خاندان اسی مویشی بانی سے وابستہ ہیں جو زندگی کی بنیادی ضرورتیں اسی سے پورا کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ ملک میں گوشت اور دودھ کی فراہمی کا ذریعہ یہی شعبہ ہے پاکستان دودھ اور گوشت کی پیداوار میں دنیا میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ ایشیا کے دو اہم ممالک انڈیا اور تھائی لینڈ حلال گوشت کی برآمدات میں پاکستان سے آگے ہیں، پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اور آبادی کا ۶۰ سے ۷۰ فیصد حصہ زراعت کے شعبے سے وابستہ ہے، اس اعتبار سے پاکستان کی معیشت کا دارومدار زراعت پر ہے۔۔پاکستان کے زرعی شعبے کی ترقی ملکی معیشت کی ترقی جبکہ زرعی شعبے کی تباہی ملک کی تباہی ہے۔ اس شعبے کو جس قدر ترقی دی جائے گی ملکی معیشت اسی قدر مستحکم ہوتی جائے گی۔ پاکستان کی مجموعی قومی پیداوار (GDP) میں زراعت کا حصہ ۲۰ فی صد ہے، پاکستان کی مجموعی افرادی قوت میں سے ۴۴ فی صد زراعت سے وابستہ ہے اور ملک کی مجموعی آبادی کا ۶۲ فی صد حصہ دیہی علاقوں میں رہتا ہے۔ زراعت میں ملک کی معیشت کا ۹ فی صد حصہ فصلوں کا ہے جب کہ مویشی بانی (Livestock) کا حصہ ۱۲ فی صد، پولٹری اور ماہی گیری کا حصہ ۰.۵ فی صد ہے۔ سال ۲۰۱۶-۱۷ء میں زرعی شعبے نے ۳.۵ فی صد کے حساب سے ترقی کی ۔ فصلوں کی کاشت کے لحاظ سے چار فصلیں زیادہ اہم ہیں جن میں کپاس، گندم، گنا اور چاول ہیں۔ [1]

قرآن مجید میں زراعت کی اہمیت:

قرآن مجید زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ زراعت بھی ان میں سے ایک شعبہ ہے زراعت کا آغاز انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر زمین اور کاشتکاری کے بارے میں بیان ہوا ہے:

﴿أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ﴾ [2]

ترجمہ: بھلا دیکھو! جو بیج تم بوتے ہو تو اس سے تم کھیتی اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔

اس سے زیادہ فضیلت اور کیا ہو گی کہ جو بیج ہم زمین میں لگائیں اسے اگانے کو اللہ تعالی نے اپنی طرف منسوب کیا ہے

۱۔ ڈان نیوز، عشرت حسین، زراعت ترقی و خوشحالی کی ضامن، (کالم)، ۱۳ جنوری ۲۰۱۷ء

۲۔ سورۃ الواقعۃ: ۵۶/ ۶۳

یہ کام کسان کا اللہ پر توکل بھی ثابت کرتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾[1]

ترجمہ: ہم نے تمہیں زمین میں اختیار دیا اور تمہارے لیے اس میں سامان معیشت بنایا، مگر تم لوگ کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔

زمین سے منسوب معیشت میں زراعت سب سے پہلا طریقہ معیشت ہے جو اللہ نے انسان کو عطا فرمایا ہے اور زمین اللہ کا انسان پر ایسا عطیہ ہے۔ جس سے بنی نوع انسان کے بنیادی اغراض وابستہ ہیں، کاشتکاری اور زراعت۔ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾[2]

ترجمہ: اور (اس نے) بار برداری کرنے والے چوپائے اور زمین پر بچھنے والے مویشی پیدا فرمائے تم اس میں سے کھایا کرو جو اللہ نے تمہیں بخشا ہے اور شیطان کے راستوں پر نہ چلا کرو۔

اس آیت کے ضمن میں سید ابو الاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں:

"یہ باغ اور کھیت اور یہ جانور جو تم کو حاصل ہیں، یہ سب اللہ کے بخشے ہوئے ہیں، کسی دوسرے کا اس بخشش میں کوئی حصہ نہیں ہے، اس لیے بخشش کے شکریہ میں بھی کسی کا کوئی حصہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ جب یہ چیزیں اللہ کی بخشش ہیں تو ان کے استعمال میں اللہ ہی کے قانون کی پیروی ہونی چاہیے۔ کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ ان کے استعمال پر اپنی طرف سے حدود مقرر کر دے۔ اللہ کے سوا کسی اور کی مقرر کردہ رسموں کی پابندی کرنا اور اللہ کے سوا کسی اور کے آگے شکر نعمت کی نذر پیش کرنا ہی حد سے گزرنا ہے اور یہی شیطان کی پیروی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ سب چیزیں اللہ نے انسان کے کھانے پینے اور استعمال کرنے ہی کے لیے پیدا کی ہیں، اس لیے پیدا نہیں کیں کہ انہیں خواہ مخواہ حرام کر لیا جائے۔"[3]

۱۔ سورۃ الاعراف: ۷/ ۱۰

۲۔ سورۃ الانعام: ۶/ ۱۴۲

۳۔ ایضاً

﴿يُنۢبِتُ لَكُم بِهِ ٱلزَّرۡعَ وَٱلزَّيۡتُونَ وَٱلنَّخِيلَ وَٱلۡأَعۡنَٰبَ وَمِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَأٓيَةٗ لِّقَوۡمٖ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: اور اسی پانی سے تمہارے لئے کھیت اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے اناج اگاتا ہے بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَنَزَّلۡنَا مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءٗ مُّبَٰرَكٗا فَأَنۢبَتۡنَا بِهِۦ جَنَّٰتٖ وَحَبَّ ٱلۡحَصِيدِ وَٱلنَّخۡلَ بَاسِقَٰتٖ لَّهَا طَلۡعٞ نَّضِيدٞ رِّزۡقٗا لِّلۡعِبَادِۖ وَأَحۡيَيۡنَا بِهِۦ بَلۡدَةٗ مَّيۡتٗاۚ كَذَٰلِكَ ٱلۡخُرُوجُ﴾ (۲)

ترجمہ: اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا پھر ہم نے اس سے باغات اگائے اور کھیتوں کا غلہ بھی اور لمبی لمبی کھجوریں جن کے خوشے تہ بہ تہ ہوتے ہیں (یہ سب کچھ اپنے) بندوں کی روزی کیلئے کیا اور ہم نے اس پانی سے مردہ زمین کو آباد کیا۔

احادیث نبوی ﷺ میں زراعت کی اہمیت:

احادیث نبویہ میں زراعت کی اہمیت کے بارے میں مختلف احادیث بیان کی گئی ہیں۔

((اطْلُبُوا الرِّزْقَ فِي خَبَايَا الأَرْض)) (۳)

ترجمہ: رزق کو زمین کی پنہائیوں میں تلاش کرو۔

((مَامِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْساًاَوْيَزْرَعُ زَرْعاً فَيَاكُلَ مِنْهُ طَيْرٌاَوْ إِنْسَانٌ اَوْ بَهِيْمَةٌ اِلَّاكَانَ لَهُ بِه صَدَقَةٌ)) (۴)

ترجمہ: جو مسلمان درخت لگاتا ہے کھیتی باڑی کرتا ہے اور پھر اس میں سے جانور، انسان یا چوپائے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ اس کے حق میں صدقہ بن جاتا ہے۔

((مَا مِنْ رَجُلٍ يَغْرِسُ غَرْساً اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَه مِنَ الاَجْرِ قَدْرَ مَا يَخْرُجُ مِنْ ثَمَرِه ذٰلِکَ الْغَرْس)) (۵)

۱۔ سورۃ النحل: ۱۶/ ۱۱

۲۔ سورۃ ق: ۵۰/ ۹۔۱۱

۳۔ المسند، ابویعلیٰ احمد بن علی بن مثنیٰ، مکتبہ دار المامون، شام، س ن، حدیث: ۴۳۸۴، ۴/ ۲۲۰

۴۔ صحیح بخاری، امام بخاری، حدیث: ۲۲۱، ۱/ ۱۴۳

۵۔ المسند، امام احمد بن حنبل، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۱۱ء، حدیث: ۲۳۵۶، ۵/ ۴۱۵

ترجمہ: جس شخص نے کوئی درخت لگایا تو اللہ رب العزت اس درخت سے حاصل ہونے والے پھل کی مقدار کے برابر اس کے لئے اجر لکھ دیتا ہے۔

حضور بنی کریمؐ جب کسی لشکر کو مدینہ سے باہر روانہ فرماتے تو ان کو یہ نصحیت فرماتے کہ کسی کھیتی کو تلف نہ کرنا اس لئے غزوہ بنی نضیر کے علاوہ کوئی بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں مسلمانوں نے درختوں کو نقصان پہنچایا ہو اور اس میں بھی صرف وہی درخت کاٹے جو غذائی مقاصد کے لئے استعمال نہ ہوتے۔ حدیث مبارکہ ہے:

((اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ حَرَّقَ نَخلَ بَنِيْ نُضَير وَقَطَعَ وَهِيَ البُوَيرَة))(۱)

ترجمہ: حضور ﷺ نے بنو نضیر کے کھجور کے ایسے درختوں کو جلادیا اور کاٹ دیا جو کہ (غذائی لحاظ) سے خشک ہو چکے تھے۔

عہدِ خلافتِ راشدہ میں بھی زراعت کی اہمیت کو پیش نظر رکھا گیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب شام میں لشکر بھیجا تو ان کو ہدایات دی اور وہ یہ تھی:

(لَا تَقْطَعَنَّ شَجَرًا مُثْمِرًا)(۲)

ترجمہ: پھل دار درخت کو نہیں کاٹنا۔

مذکورہ بالا اہمیتِ زراعت کے مدِ نظر اکثر فقہاءنے حضور ﷺ کی تعلیمات اور عملِ مبارک کے تحت زراعت کے پیشے کو فرض کفایہ کا درجہ دیا ہے۔(۳) دنیا میں سب سے پہلے انسان حضرت آدمؑ تھے ان کے بارے میں حدیث مبارکہ ہے:

((اُحَدِّ ثُکَ عَن اٰدَمَ اِنَهُ کَانَ حَرَّاثاً))(۴)

ترجمہ: میں تمہیں آدمؑ کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ بھی زراعت کے پیشے سے منسلک تھے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

((وَاُحَدِّثُکَ عَن اِبرَاهِيمَ اِنَهُ کَانَ عَبداً زرَاعاً))(۵)

ترجمہ: اور میں تمہیں حضرت ابراہیم کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ کاشتکاری کیا کرتے تھے۔

۱۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، حدیث:۲۵۵۲، ۲/۲۲۵

۲۔ جامع ترمذی، امام ابوعیسی، کتاب السیر، باب فی التحریق والتخریب، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء، حدیث:۱۵۱۱، ۱/۱۶۳

۳۔ اقتصادیات اسلام، ڈاکٹر طاہر القادری، ص:۶۱۵

۴۔ مستدرک علي الصحيحين، محمد بن عبد اللہ الحاکم نیشاپوری، ادارۃ المعارف، کراچی ۱۹۹۶ء، حدیث: ۴۱۶۵، ۲/۲۱۸

۵۔ ایضا، حدیث: ۴۱۶۵، ۲/۲۱۸

اس کے علاوہ نبی کریمؐ نے خود بھی اپنی زندگی میں ایک مقام پر کاشتکاری کی۔

((وَاَزْرَعُ رَسُولُ اللّٰهِ بِالجُرْفِ))[1]

ترجمہ: اور نبی کریمؐ نے خود مقامِ جرف پر کاشت کاری کی ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کو یہ بتلا رہے ہیں کہ انسان جو بھی اناج زمین سے حاصل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے ہی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں انسان کو اللہ کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ اللہ کی ان نعمتوں پر انسان کو شکر گزار ہونا چاہیے اور ان نعمتوں سے فائدہ حاصل کرے۔

پیداوار میں اضافہ کے لیے ضروری ہے کہ ہم مقابلہ کی ثقافت کو فروغ دیں اس سے مراد تمام انسانوں کو اس کام میں شامل کیا جائے تاکہ تمام انسانوں کی شرکت کو یقینی بناتے ہوئے بہتر نتائج، پیداواری صلاحیت، ذہانت اور دریافت و ایجاد کے منصفانہ انعام کو یقینی بنائیں۔ یقیناً محنتی اور باصلاحیت معاشرے وہ ہوتے ہیں جہاں اجارہ داری کو ناممکن بنا دیا جائے، بھیک مانگنے کے عمل چاہے یہ بھیک افراد سے لی جائے یا ریاست و حکومت سے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے اور تخلیق و دریافت (پیداوار) کو سب سے بڑی قدر سمجھا جائے۔ ہمارا اصل انعام ہماری اپنی محنت ہے اور اگر کوئی مجھ سے زیادہ محنت کرتا ہے اور محنت کا زیادہ انعام حاصل کر رہا ہے تو ایسی ثقافت میں مجھے اس سے نفرت نہیں بلکہ آگے بڑھنے اور خود کو بہتر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۲۔ صنعت:

صنعت کاری ایک ایسا شعبہ کہ جو ملک میں معاشی ترقی کے لیے بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ شعبہ جس قدر ترقی کرے گا ملکی معیشت میں اتنی ہی زیادہ ترقی ہو گی۔ اس کی ترقی سے جہاں صنعتی پیداوار میں اضافہ ہو گا برآمدات بڑھیں گی وہاں روزگار کے نئے نئے مواقع بھی پیدا ہونگے۔

قرآن مجید میں صنعت کی اہمیت:

صنعت (صنعة) عربی زبان سے ماخوذ ہے اس کا مادہ "ص۔ن۔ع" ہے۔ صنع، یصنع، صنعاً سے مشتق لفظ صنعة کا لغوی معنٰی ہے "کوئی چیز بنانا یا ایجاد کرنا"۔ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

الصنع: کے معنٰی کسی کام کو کمال مہارت سے اچھی طرح کرنے کے ہیں اس لئے ہر صنع کو فعل تو کہہ سکتے ہیں مگر ہر فعل کو صنع نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ لفظ فعل کی طرح حیوانات اور جمادات کیلئے بولا جا سکتا ہے۔[2]

۱۔ کتاب المبسوط، امام شمس الدین سرخسی، دار المعارف، بیروت، ۱۹۷۸ء، ۲/۲۳

۲۔ مفردات القران، امام راغب اصفہانی، ص: ۴۹۳

﴿صُنْعَ ٱللَّهِ ٱلَّذِىٓ أَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ﴾ (۱)

ترجمہ: یہ اللہ کی صنعت ہے اُس نے ہر چیز مضبوط و مستحکم بنا رکھی ہے۔

قرآن مجید میں حضرت نوح کو کشتی بنانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ٱصْنَعِ ٱلْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾ (۲)

ترجمہ: اور تم ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی بناؤ۔

﴿وَيَصْنَعُ ٱلْفُلْكَ﴾ (۳)

ترجمہ: نوح علیہ اسلام کشتی بناتے رہے۔

حضرت داؤد علیہ اسلام کی طرف لوہے کی صنعت کو منسوب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأَلَنَّا لَهُ ٱلْحَدِيدَ أَنِ ٱعْمَلْ سَٰبِغَٰتٍ وَقَدِّرْ فِى ٱلسَّرْدِ﴾ (۴)

ترجمہ: اور ہم نے لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا کہ سادہ زریں بناؤ اور حلقے جوڑنے میں اندازے کو ملحوظ رکھو۔

﴿وَعَلَّمْنَٰهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّنۢ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنتُمْ شَٰكِرُونَ﴾ (۵)

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے زرہ بنانے کا فن سکھایا تھا کہ تاکہ وہ تمہاری لڑائی میں تمہیں ضرر سے بچائے، تو تم کیا شکر گزار ہو۔

مندرجہ بالا قرآن مجید سے صنعت گری میں درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تیار کردہ کشتی اس زمانے کی زبردست ایجاد تھی اور اہل دنیا کے سامنے فن کشتی سازی میں ایک نیا شاہکار تھا یہی صنعت آج ترقی کر کے چھوٹی بڑی کشتیاں، بحری جہاز بحری بیڑوں کی تیاری میں بدل گئی۔

۲۔ حضرت داؤد کی آہن گری اور زرہ بکتر سازی سپاہ گری سے متعلق آلات حرب کی صناعی و تیاری میں نت نئی ایجادات کے نتیجے میں سامنے آئیں توپ، بندوق، ٹینک، بکتر بند اور بے شمار جنگی ہتھیار بنائے گئے اور ان میں روز افزوں نئی نئی ایجادات سے روشناس کرایا جارہا ہے، اسی طرح جدید آئرن انڈسٹری بھی معروض وجود میں آئی۔

۱۔ سورۃ النمل: ۲۷/ ۸۸

۲۔ سورۃ المومنون: ۲۳/ ۲۷

۳۔ سورۃ ھود: ۱۱/ ۳۸

۴۔ سورۃ سباء: ۳۴/ ۱۰۔۱۱

۵۔ سورۃ الانبیاء: ۲۱/ ۸۰

۳۔ حضرت ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الکہف میں موجود ہے تمام واقعہ پڑھ کر جہاں حضرت ذالقرنین کے حوالے سے علم معادن اور دھات سازی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جب آپ نے لوہے کے ٹکڑوں کو گرم کروا کر ان پر پگھلا ہوا تانبا ڈالنے کا ذکر فرمایا جس سے یاجوج ماجوج سے بچاؤ کے لیے بنائی گئی آہنی دیوار اور مضبوط کی گئی تھی دھاتوں کو دوسری دھاتوں کے ساتھ ملا کر آج مختلف دھاتیں تیار کی جاتی ہیں جو عام دھاتوں کی نسبت زیادہ مضبوط اور پائیدار ہوتی ہیں۔ تاریخ اسلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی پاکؐ اور صحابہ کرام کا غیر اقوام کی مفید صنعتیں سیکھنے پر اجماع رہا ہے جس طرح نبی کریمؐ نے غزوہ خندق کے موقع پر سلمان فارسی کا خندق کھودنے کا مشورہ کشادہ دلی سے قبول فرمایا۔ اسی طرح آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام نے غیر مسلم اقوام کے آلاتِ حرب کو اپنانے میں کسی تامل اور تعصب سے کام نہیں لیا۔[۱] مختلف غزوات کے اموالِ غنیمت میں حاصل ہونے والے دبابے اور منجنقیں (جنہیں رومی آلاتِ حرب بتایا جاتا ہے) جب نبی کریمؐ کے سامنے پیش کی گئیں تو نبیؐ نے مختلف اسلامی جنگوں میں ان کو استعمال کروایا۔ سب سے پہلے دبابہ (ٹینک) تھا جو طائف میں استعمال کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔

(اول دبابة صنعت فِي السلام دبابة صنعت علي الطائف حين حاصرهارسول)[۲]

ترجمہ: اسلام میں سب سے پہلا ٹینک جو بنایا گیا تھا وہی ٹینک تھا جو اس وقت بنایا گیا تھا جب نبیؐ نے طائف کے علاقے کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔

(اول من رمي مالمنجنيق رسول اللّٰهِ اهل طائف دخل نفر من اصحاب رسول اللّٰهِ تحت دبابة ثم رجعوا بها الي جدار الطائف ليحرقوه)[۳]

ترجمہ: سب سے پہلے منجنیق نبیؐ نے طائف والوں پر استعمال کی اس کی صورت یوں تھی کہ نبی کریم ﷺ کے چند صحابی ایک ٹینک میں داخل ہو کر طائف کی فصیل (دیوار) تک پہنچے تا کہ اس کے دروازے کو آگ لگا دیں۔

اس کے بعد حرفت و صنعت کے شعبوں میں نت نئی ایجادات شروع ہوئیں۔ مسلمانوں نے فن تعمیر میں گراں قدر ترقی کی مساجد کی تعمیر میں محراب، منبر، گنبد، جنگی مقاصد کے لیے خندقیں اور پناہ گاہیں وغیرہ مسلمانوں کی محنت شاقہ اور صنعت گری میں اعلیٰ مثالوں کی آئینہ دار ہیں اسپین کا الحمراءپیلیس (Alhamra palace) مسجد

۱۔ نظام الحکومۃ والنبویہ، عبدالحیٔ کتانی، مکتبہ دارلارقم، بیروت، ۲۰۰۳ء، ۱/ ۱۵۳

۲۔ ایضا

۳۔ ایضا، ص: ۱۵۴

قرطبہ، مصر کے ڈیم وغیرہ اسلامی طرزِ تعمیر کی عمدہ مثالیں ہیں اس کے علاوہ مسلمانوں نے Morish Architecture میں فنی مہارتیں حاصل کیں جس کے نمونے آج بھی اسلامی تاریخی عمارتوں میں ملتے ہیں عہدِ خلافت راشدہ ہو یا بنو امیہ و عباسی حکومت مسلمانوں نے ہر دور میں صنعت و حرفت میں بے مثال ترقی کی۔ سیمنٹ سازی، چمڑے کی صنعت، ظروف سازی، پارچہ بانی غرض صنعت کے ہر شعبہ میں مسلمانوں نے نہ صرف گراں قدر مہارت حاصل کی بلکہ اسے ترقی کی اعلیٰ منازل سے ہمکنار بھی کیا۔ صنعت و حرفت میں مسلمانوں کی دلچسپی کا سلسلہ جاری رہا سلاطینِ دہلی اور مغل بادشاہوں نے قلعے، مساجد، باغات بنوائے جن میں اعلیٰ درجے کی صناعی پچی کاری ، رنگوں کی آمیزش اور فنِ تعمیر کے اعلیٰ اور حیران کن اصول اپنی مثال آپ ہیں دور جدید میں بھی مسلم ممالک میں کثیر المنزلہ عمارتیں، پلازے، جدید فرنشڈ گھر، کارپیٹڈ سڑکیں، بحری و ہوائی جہازوں کی تیاری، آبی ذخائر کے لیے ڈیم، آٹو موبائیلز، ٹیکسٹائل، کھاد و دیگر مشینری اور دیوہیکل کارخانوں وغیرہ کا وجود ان کے صنعت و حرفت سے گہرے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح مسلمانوں نے صنعت و حرفت میں نئی نئی ایجادات کا سلسلہ جاری رکھا نبی کریم ﷺ کے عہد میں کافی مفید صنعتیں سیکھنے پر اجماع رہا مسلمانوں نے فن تعمیر میں گراں قدر ترقی کی۔ مساجد کی تعمیر میں محراب، گنبد، جنگی مقاصد کیلئے خندقیں اور پناہ گاہیں وغیرہ مسلمانوں کی محنت شاقہ اور صنعت گری میں اعلیٰ مثالوں کی آئینہ دار ہیں۔ عہد خلافت راشدہ ہو یا بنو امیہ و عباس کی مسلمان حکومت مسلمانوں نے ہر دور میں صنعت و حرفت میں بے مثال ترقی کی۔ جو کسی صنعت یا پیشہ میں سرمایہ لگائے اور جو لوگ اس پیشے میں کام کریں دونوں فائدہ اٹھانے میں شریک ہوں اور دستکاروں کو اتنا ہی فائدہ ملنا ضروری ہے جن سے ان کی زندگی کی بنیادی ضرورتیں اچھی طرح پوری ہو جائیں اور وہ خوش حال زندگی بسر کریں اگر دونوں میں تفریق پیدا ہو گی تو نظام اسلامی اس منشاء کو پورا نہ کر سکے گا جس کے لیے اس نظام کو خالق کائنات نے بنایا ہے۔ [۱]

۳۔ حرفت:

دستی مصنوعات اور کاروبار کیلئے اسلام نے بہت ترغیب دی ہے اور توجہ دلائی ہے کہ معاشی زندگی کی ترقی میں یہ ایک نہایت ہی پسندیدہ جد وجہد ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سب سے بہتر کمائی اپنے ہاتھ کی کمائی کو قرار دیا ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے دستکاری کو بہترین ذریعہ معاش قرار دیا ہے۔ اسلام میں حرفت کو نہایت اہم مقام حاصل ہے حرفت کا انکار کرنا ممکن نہیں لیکن زمانہ کے ساتھ لوگ بعض ہستیوں کو حقیر اور بعض کو باعزت سمجھنے لگے۔ اس طرح سے ہستیوں میں معاشی عدم توازن پیدا ہوا۔

۱۔ الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمان، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، ۲۰۱۳ء، ۱/ ۱۶۲

کیونکہ دولت صحیح طریقہ پر ایک پیشے میں موجود نہیں جبکہ شاہ صاحبؒ کی رائے میں تین چیزیں کسی پیشے کو باعزت یا ذلیل بنانے کا کام دے سکتی ہیں۔

i. ضرورت

ii. محنت

iii. ارتفاق (یعنی انسانی مدد)[1]

صنعت و حرفت کی ضرورت واہمیت:

صنعت و حرفت کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی ملک معاشی ترقی میں اس وقت تک اضافہ نہیں کر سکتا جب تک وہ صنعتی ترقی میں اضافہ نہ کر لے۔

صنعت و حرفت کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل حقائق سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جو ملک صنعتی ترقی میں دلچسپی لے گا وہاں درج ذیل مثبت نتائج سامنے آنا شروع ہو جائیں گے۔

معاشی استحکام کا آغاز

برآمدات میں اضافہ

قومی آمدنی میں اضافہ

روزگار میں اضافہ

زرعی ترقی

بچتوں اور سرمایہ میں اضافہ

حکومت کی آمدنی میں اضافہ

زرعی صنعت کاری میں اضافہ

ماہرین معاشیات کے تجزیے کے مطابق کم ترقی یافتہ ممالک میں صرف صنعتی ترقی کی طرف توجہ دینا مناسب نہیں بلکہ صنعتی معاشی ترقی کے حصول کیلئے ان ممالک کو اپنے صنعتی اور زرعی شعبوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلنا پڑے گا تاکہ کسی شعبے میں افراط و تفریط پیدا نہ ہو۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بہتر کوئی نہ دیکھی جو اپنے ہاتھ سے کما کر صدقہ و خیرات کرتی تھیں۔

۱۔ اسلام کی معاشی تعلیمات، محمد طاسین، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص: ۳۷

وگرنہ ان کو اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ نہ صرف مجبوری کے عالم میں کمانے کی اجازت ہے بلکہ اپنی دنیا و آخرت کی بہتری کے لیے بھی کمایا جاسکتا ہے۔

۴۔ زکوۃ وصدقات:

زکوۃ وصدقات معاشی اور اقتصادی ترقی کی راہ میں براہ راست کردار ادا کرتے ہیں اس لیے مسلمان جب اپنا مال جمع کرتا ہے تو اس کو خواہی نہ خواہی اس میں ڈھائی فیصد زکوۃ میں لگانا پڑتا ہے جو مال میں مسلسل قلت کا شکار ہوتا رہتا ہے اس لیے وہ اس مال کو تجارت میں لگاتا ہے تاکہ نفع سے زکوۃ ادا کی جائے اس طرح سے مال اس کے خزانے سے نکل کر مارکیٹ میں گردش کرنے لگتا ہے اور معاشی ترقی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے جس سے پوری امت فائدہ اٹھاتی ہے۔

زکوۃ وصدقات لوگوں میں تفرقوں کے کم کرنے کا سبب ہے اس لئے کہ اسلام نے رزق میں تفاوت بنایا ہے اس لئے لوگوں کے اپنی صلاحیتوں اور طاقتوں میں اختلاف ہے لیکن اس نے اس کی قطعاً اور زبردست انداز میں مخالفت کی ہے کہ لوگ دو طبقوں میں بٹ جائیں اس طرح کہ ایک تو باغ جنت میں زندگی گزارے اور دوسرا آگ کے انگاروں پر اپنی جان دے دے بلکہ اسلام فقراء کو اغنیاء کے باغ جنت میں ساجھی بناتا ہے اور اغنیاء کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ ان محتاجوں کو اتنی چیز دیں جو ان کی ضروریات کو پورا کرتا ہو اس مقصد کے حصول کے لیے اسلام کے بہت سے وسائل میں سے زکوۃ اور صدقات بھی ہیں۔

معدنیات:

معدنیات کسی بھی ملک کی معاشی ترقی میں اہم کردار کرتی ہیں۔ موجودہ دور میں معدنیات کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ جن کے پاس معدنی ذخائر کی کثرت ہے وہاں کی معیشت بھی کافی مستحکم ہے ۔ صنعتی ترقی کا انحصار بڑی حد تک معدنی وسائل کی موجودگی پر ہے۔ پاکستان میں موجود قدرتی و معدنی وسائل جن پر پاکستان کی معاشی ترقی کا انحصار ہے مثلاً کیمیائی صنعت میں گندھک بہت کارآمد ہے اس کے علاوہ کرومائیٹ، جپسم ایسی دھاتیں ہیں جو کہ پاکستانی کی صنعتی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

۵۔ معدنی تیل:

معدنی تیل کے ذریعے سے اہم مصنوعات حاصل کی جاتی ہیں۔ یہ توانائی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ معدنی تیل خام حالت میں پایا جاتا ہے۔ جس کو تیل صاف کرنے کے کارخانہ (آئل ریفائنری) میں صاف کیا جاتا ہے اور اس سے

۱۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، حدیث نمبر: ۲۴۵۲، ۳/۳۰۷

پیٹرول اور دیگر مصنوعات یعنی مٹی کا تیل، ڈیزل، پلاسٹک اور موم بتی وغیرہ حاصل کی جاتی ہے۔ پاکستان میں ملکی ضروریات کا صرف ۱۵ فیصد تیل پیدا ہوتا ہے بقیہ ۸۵ فیصد حصہ دوسرے ممالک سے درآمد کر کے ملکی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں تیل کے ذخائر سطح مرتفع، پوٹھوہار، کھیوڑا، ڈھلیاں، کوٹ میال، ضلع اٹک میں سارنگ، ضلع چکوال میں بالکسر، ضلع جہلم میں جویامیر اور ڈیرہ غازی خان میں ڈھوڈک اور سندھ میں بدین، حیدرآباد، دادو اور سانگھڑ کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ تیل او گیس کی تلاش کے لئے ملک میں تیل اور گیس کی ترقیاتی کارپوریشن (OGDC) بنائی گئی ہے۔ یہ ادارہ تیل کے مزید ذخائر تلاش کرنے میں کوشاں ہے۔[۱]

۶۔ گیس:

گیس توانائی پیدا کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ گیس کے ذریعے سے فیکٹریوں میں مختلف مصنوعات تیار کی جاتی ہیں۔ گیس گھروں میں بطور ایندھن کے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ تیل و گیس کے نئے ذخائر کی سال ۲۰۱۷ء کے دوران دریافت سے پاکستان نئے ذخائر دریافت کرنے والے دنیا کے ۵ بڑے ممالک کی صف میں شامل ہو گیا ہے۔ امریکہ کی کمپنی گلوبل آئل اینڈ گیس ڈسکوریز ریویو ۲۰۱۷ء کی رپورٹ کے مطابق سال ۲۰۱۷ء کے دوران پاکستان نے تیل و گیس کے کئی بڑے ذخائر دریافت کیے جس کی وجہ سے نئے ذخائر تک رسائی حاصل کرنے والے ۵ بڑے ممالک کی صف میں شامل ہو گیا ہے۔ اور یہ بات امریکی ادارے ای آئی اے کی رپورٹ میں درج ہے کہ پاکستان کا ۷۰ فیصد علاقہ شیل گیس کے ذخائر سے مالامال ہے، جو زیر زمین باریک ریت کے ذروں اور مٹی سے بننے والی تہہ دار چٹانوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ پاکستان میں اس وقت گیس کی مجموعی پیداوار ۴ ارب ۲۰ کروڑ کیوبک فٹ اور تیل کی پیداوار ۷۰ ہزار بیرل یومیہ ہے۔[۲]

۷۔ کوئلہ:

صنعتی شعبہ میں کوئلہ کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ایندھن کا کام بھی دیتا ہے اور کوئلے جیسے قدرتی وسائل سے اس وقت تک استفادہ نہیں کیا جا سکتا جب تک اس کے لیے جدید ٹیکنالوجی استعمال میں لائی جائے۔ پاکستان کو مقامی طور پر دستیاب توانائی کے ذرائع کو استعمال میں لانا ہو گا کیونکہ اپنے غیر استعمال شدہ کوئلے کے ذخائر کو استعمال میں لا کر ہی بجلی کے بحران سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے کوئلے کے ذخائر کو استعمال میں لا کر پاکستان کی قسمت کو بدل سکتے ہیں اس وقت دنیا میں بجلی کی کل پیداوار میں سے ۶۔۴۰ فیصد کوئلے سے بنتا ہے۔

۱۔ معاشی چیلنجز، (کالم)، راؤ غلام مصطفی، روزنامہ نئی بات، ۶ اگست ۲۰۱۸ء

۲۔ توانائی کے مقامی ذرائع اور ٹیکنالوجی کا استعمال، (کالم)، ڈاکٹر شاہد منیر، نوائے وقت، ۹ مارچ ۲۰۱۸ء

پاکستان کو اللہ نے ۱۸۵ ملین ٹن کوئلے سے نوازا ہے لیکن اس کوئلے سے بجلی کی پیداوار نہ ہونے کے برابر ہے یعنی صرف 0.6 فیصد ہے۔ صرف تھر کے کوئلے کا تخمینہ ۱۷۵ ملین ٹن لگایا گیا ہے اگر اس کوئلے کو زمین سے نکال کر اس سے ایک لاکھ میگاواٹ بجلی بنائی جائے تو یہ پاکستان صنعتی طور پر ترقی کر سکتا۔ (۱)

۸۔ معاشی ترقی کے لئے سیاسی استحکام:

ملکی معیشت میں ترقی کے لیے سیاسی استحکام کا ہونا بہت ضروری ہے۔ سیاسی استحکام اور معاشی ترقی کسی بھی ملک کے عروج اور سربلندی کیلئے لازم وملزوم ہیں۔ ان دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جب تک سیاسی استحکام نہیں ہو گا، معاشی ترقی کا خواب کبھی پورا نہیں ہو سکتا ہے۔ سیاسی استحکام ہی کی بدولت غیر ملکی سرمایہ کاروں کو سرمایہ کاری پر راغب کیا جا سکتا ہے۔ صنعتکار اور تاجر حضرات ملک کی بگڑتی ہوئی سیاسی صورتحال کی وجہ سے سرمایہ کاری سے گریز کرتے ہیں جس سے ملکی معیشت کو نقصان ہوتا ہے۔ سرمایہ کاری میں کمی کے باعث مزدور بیروزگار ہوتے ہیں۔ حکومت اور تمام سیاسی پارٹیوں کو بھی آپس میں مل بیٹھ کر سیاسی استحکام کو یقینی بنانا چاہیئے تاکہ ملک میں معاشی ترقی کو ممکن بنایا جا سکے (۲) جب کسی ملک کی سیاسی و معاشی حالت زوال پذیر ہو گی تو اس طرح کی تشویش و شک وشبہات کا ابھرنا فطری عمل ہے۔ جب کسی ملک کی سیاسی و معاشی صورتحال اس طرح کی ہو گی تو اس ملک کا ترقی کے راستے پر چلنا ناممکن ہے۔ ملک پاکستان نے ۷۰ سال سے کئی حکومتوں کے عروج وزوال دیکھے ہیں لیکن کسی دور میں بھی سیاسی و معاشی استحکام ہوتے نہیں دیکھا۔ پھر یہ سوال ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ ایک طرف سیاستدانوں کی سیاست میں منفی رجحان پایا جاتا ہے اور جب سیاسی نظام ہی کو استحکام نصیب نہ ہو گا تو معاشی حالات کیسے مستحکم ہو سکتے ہیں۔

جب سیاستدان اور حکمران طبقات ہی منفی سیاسی رویہ اختیار کریں گے اور صرف اور صرف ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے میں مصروف رہیں گے۔ عوام کی خدمت اور ان کے مسائل کی جانب سے بے رخی اختیار کریں گے تو ملک کی سیاسی اور معاشی مسائل کی طرف کیسے توجہ مرکوز ہو گی۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ حکمران طبقات اور سیاسی مدبرین چونکہ عوام کے منتخب نمائندے ہونے کے ناتے عوام کے مسائل کو ترجیح دیتے اور عوام کو کچھ ڈلیور کرتے، حکومت چلانے کے لیے قابلیت، اہلیت، منصوبہ سازی اور عوام کی فلاح و بہبود کو روبہ عمل لانے کی روایت قائم کرنا ہوتا ہے۔ لیکن جب دورِ حکومت کا اختتام ہوتا ہے اور حقائق سامنے آتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ نہ سیاسی استحکام کے لیے کچھ کام کیا اور نہ ہی معاشی استحکام کی طرف توجہ دی ۔ اسی کو کہتے ہیں سیاسی عدم استحکام۔ اور یہی سیاسی عدم استحکام معاشی

۱۔ توانائی کے مقامی ذرائع اور ٹیکنالوجی کا استعمال، (کالم)، ڈاکٹر شاہد منیر، نوائے وقت، ۹ مارچ ۲۰۱۵ء

۲۔ ملک میں معاشی ترقی کیسے ممکن ہے، (کالم)، رضا ادیب، ایکسپریس نیوز، لاہور، ۲۱ جولائی ۲۰۱۷ء

عدم استحکام کو جنم دیتا ہے۔ ملک میں سیاسی و معاشی استحکام کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ جب کسی مسئلہ کی بار بار گردان کی جاتی ہے تو اس کی افادیت تو آپ ہی آپ ختم ہو جاتی ہے۔ اور عوام کی نظروں میں بھی اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور عدم مساوات کی بناء پر سیاسی نظام ٹھیک ہوتا ہے نہ معاشی نظام مستحکم ہوتا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ جب ایک حکومت ترقیاتی منصوبے پر کام شروع کرتی ہے لیکن وہ ان کے دورِ حکومت میں مکمل نہیں ہوتے تو آنے والی حکومت اس نامکمل منصوبہ کو آگے بڑھانے کے بجائے مختلف حیلوں، بہانوں سے مسترد کر دیتی ہے اور پھر نئے سِرے سے اُس منصوبے کو تشکیل دینے کی جدوجہد شروع ہو جاتی ہے۔ اس میں معاشی نقصان نہیں ہو گا تو اور کیا ہو گا۔ ایک طرف استعمال شدہ فنڈز کا ضیاع اور دوسری طرف نئے سِرے سے سرمایہ کاری نہیں ہوتی۔ [۱]

۱۔ ہماری معیشت اور اقتصادی ترقی، (کالم)، احمد رضا سلیم، ایکسپریس نیوز، لاہور، ۲۱ جون ۲۰۱۷

خلاصہ بحث:

اس فصل میں معاشی ترقی کے ذرائع کا احاطہ کیا گیا ہے اس کے تحت دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ زراعت کسی بھی ملک کی معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے چونکہ انسان کی بنیادی ضروریات خوراک، لباس اور رہائش کا براہ راست تعلق زراعت سے ہی ہے۔ اس کے علاوہ مویشی بانی، قدرتی ذخائر، معدنی تیل، گیس وغیرہ بھی معاشی ترقی کا اہم ذریعہ ہیں جس قدر ان وسائل پر توجہ دی جائے گی اس قدر ملک کی معیشت مستحکم ہو گی۔

معاشی ترقی کا ایک اور اہم ذریعہ صنعت سازی بھی ہے اسلام میں بھی اس شعبے کو بہت اہمیت حاصل ہے یہی وہ شعبہ ہے جس سے نت نئی ایجادات کا آغاز ہوا مثلا دور جدید میں موبائل، ٹینک، الیکٹرونکس، اور دیگر آلات حرب تیار کیے جاتے ہیں اور ان کی درآمدات سے وسیع پیمانے پر زر مبادلہ کمایا جاتا ہے۔ اسی طرح حرفت بھی معاشی ترقی کا ایک اہم شعبہ ہے جس میں ہاتھ سے کام کرنے کو ترجیح دی جاتی ہے صنعت و حرفت میں دلچسپی سے مختلف فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلا معاشی استحکام اور روزگار میں اضافہ، قومی آمدنی اور برآمدات میں اضافہ اسی کی بدولت ممکن ہے۔ لیکن ان تمام پہلوؤں کے پیش نظر دیکھا جائے تو کسی بھی ملک میں معاشی ترقی کے لیے وہاں سیاسی استحکام کا ہونا ضروری ہے جب تک سیاسی استحکام نہیں ہو گا معاشی ترقی کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔ سیاسی عدم استحکام معاشی عدم استحکام کو جنم دیتا ہے لہذا ضروری ہے کہ ملک کی معیشت کو مستحکم کرنے کے لیے سیاسی استحکام کو ممکن بنایا جائے۔

باب دوم

عہد رسالت و عہد صحابہ میں معاشی ترقی کے اقدامات

فصل اول: عہد رسالت ﷺ میں معاشی ترقی کے لیے اقدامات

فصل دوم: عہد فاروقی ؓ میں معاشی ترقی کے لیے اقدامات

فصل سوم: عہد عثمانی ؓ میں معاشی ترقی کے لیے اقدامات

فصل اول

عہد رسالت میں معاشی ترقی کے لیے اقدامات

فصل اول:

عہد رسالت میں معاشی ترقی کے اقدامات

نظام معیشت انسانی زندگی میں ایک مرکزی اہمیت کی حامل جہت ہے جس کی اصلاح نہ صرف معیشت اور معاشرت کو بلکہ سیاست کو اور من حیث المجموع پوری زندگی کو متاثر کرتی ہے۔ سیرت رسول ﷺ اس جہت سے ایسے اصول فراہم کرتی ہے جو زندگی کے معاشی پہلو میں آنے والی خرابیوں کی اصلاح اور اس پہلو کے ارتقاء کے حوالے سے جملہ تقاضوں کا احاطہ کرتا ہے کوئی بھی نظام زندگی اس وقت تک وجود میں نہیں آسکتا جب تک اس کے پس منظر میں کوئی واضح تصور، اصول وضابطہ موجود نہ ہو۔رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے معاشی نظام کے خدوخال اور بنیادی تصورات نہ صرف واضح فرمائے بلکہ ایسی تعلیمات عطا فرمائیں جو معاشی رویوں اور رجحانات سے نہ صرف مختلف تھیں بلکہ آنے والے زمانوں کے لیے ایک رہنما اصول قرار پائیں۔ آپ ﷺ نے مذہب کے روایتی تصور کے بالکل برعکس جہاں دنیا کی سرگرمیوں کو قربت خداوندی کے حصول میں رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔جائز اور درست معاشی سرگرمیوں کی اہمیت کو بیان فرمایا اور انسان کی طبیعت میں موجود معاشی میلانات کی اصلاح کے بنیادی تصورات اور ایسی تعلیمات عطا فرمائیں کہ جن پر عمل پیرا ہوتے ہوئے معاشی زندگی ایک ایسے حسین اعتدال سے بہرور ہوسکے جہاں ایک طرف تخلیقی معاشی سرگرمیاں فروغ پذیر رہیں تو دوسری طرف افرادِ معاشرہ کے لیے ان تخلیقی اور معاشی سرگرمیوں سے مستفید ہونے اور ان سے نفع بخشی کے امکانات پانے کے تمام راستے بھی کھلے رہیں۔

اہل عرب کی معاشی سرگرمیاں:

کسی بھی ملک کی معاشی ترقی، تعمیر اور فلاح کا دارومدار اان کے پڑوسی اور علاقائی ممالک کے ساتھ بہتر ومثالی تعاون کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور اگر قریبی وعلاقائی ممالک کے ساتھ باہم تعمیری و مثبت تعلقات ہوں تو یہ دونوں ممالک کیلئے انتہائی سودمند ثابت ہوتے ہیں۔اسی طرح سے علاقائی تجارت کے فوائد سے بھی کوئی ذی شعور انکار نہیں کرسکتا کیونکہ علاقائی تجارت کی وجہ سے آپس کے درمیان باہمی تعاون سے وہ ایک دوسرے کے کئی معاملات میں ساتھ دیتے ہیں جن میں، سیاسی، سماجی معاشی اور دفاعی معاملات بھی شامل ہوتے ہیں۔

اشیاء کا تبادلہ یا خرید وفروخت کے عمل کو بیع وشرا یا تجارت کہتے ہیں۔تجارت کے ذریعے سے درآمدات اور برآمدات بڑھ جاتی ہیں، جس کی وجہ سے ملک کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے اور ملک معاشی ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔عرب ایک ایسا ملک ہے جس میں پانی کی قلت ہے۔ جس کا بہت تھوڑا رقبہ کاشت کے قابل ہے اور جو کاشت کے قابل ہے اس پر بھی کم توجہ دی جاتی تھی کیونکہ شرفائے عرب زراعت کو کوئی معزز پیشہ تصور نہیں کرتے تھے

اسی طرح ہاتھ سے کام کرنے یا دست کاری کے کام کو بھی باعث عار سمجھتے تھے عرب میں عام لوگوں کا پیشہ تو بھیڑ بکریاں، گائے اور اونٹ پالنا تھا اور شرفائے عرب کا محبوب مشغلہ تھا ہی تجارت۔ البتہ یمن میں اُون کاتنے، چادریں اور کمبل بنانے کا کام بھی ہوتا تھا عربوں کو چونکہ فنون سپہ گری سے گہری دلچسپی تھی لہذا کہیں کہیں آلات جنگ بھی تیار کئے جاتے تھے۔ نیتجتاً عرب کو اشیائے خورد نوش اور دیگر ضروریات سامان باہر سے درآمد کرنا پڑتا تھا بلاشبہ ان دنوں لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کا دور دورہ تھا اور کسی اِکے دُکے مسافر کا جان ومال محفوظ نہ تھا مگر یہ تجارت عموماً قافلوں کی صورت میں ہوا کرتی تھی۔ غیر ملکی قافلوں کو بحفاظت گزارنے کے عوض ان سے ٹیکس بھی لیا جاتا تھا۔ حضور ﷺ نے خود بھی بعثت سے پہلے مدینہ، بصرہ اور شام کے متعدد تجارتی سفر کیے تھے۔ یہ قافلے کتنے بڑے ہوتے تھے اس کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ ابو سفیان کا وہ قافلہ تجارت جو جنگ بدر کا پیش خیمہ ثابت ہوا دو ہزار باربردار اُونٹوں پر مشتمل تھا۔ اس درآمد و برآمد کی کل تجارت ۵۰ لاکھ دینار سالانہ تک ہوتی تھی۔ پھر یہ تجارتی قافلے صرف قریش مکہ تک محدود نہ تھے۔ یمنی تاجر مکہ اور مدینہ کے راستے شام تک جاتے تھے۔ پھر احادیث نبوی ﷺ میں تجارت کی جن اقسام کا ذکر ملتا ہے اور جن میں سے آج بھی بیشتر رائج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان ایام میں عرب میں تجارت کا کاروبار عروج پر تھا اور تجارت کے سلسلہ میں جو ہدایات مسلمانوں کو دی گی وہ آج بھی مشعلِ راہ کا کام دیتی ہیں۔ اور تاریخ سے ثابت ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ تجارت کی وجہ سے اس دور میں بھی لکھ پتی بن گئے تھے۔ [۱]

ا۔ بوقت اسلام مسلمانوں کی معاشی حالت:

بوقت اسلام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چالیس ہزار درہم نقد تھے لیکن تیرہ برس کے بعد یہ "اصل مال" گھٹ کر صرف چار ہزار درہم رہ گیا۔ [۲] اور ان کا بیشتر مال مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہو چکا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ کے مالداروں میں شمار کیے جاتے تھے مگر ہجرت مدینہ کے وقت ان کے پاس سات ہزار درہم یا اس کے برابر رقم رہ گئ تھی۔ [۳] عہد نبوی ﷺ کے مدنی دور میں مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر نہیں تھی مکہ کے مسلمان ہجرت کے وقت مکہ سے کچھ بھی ساتھ نہیں لے جاسکے تھے مگر کچھ لوگ اپنی منقولہ جائیداد نقد و اسباب کے ساتھ مدینہ پہنچے تھے۔ اس لیے مدینہ آمد کے بعد ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل وتسکین کا خاصا دارو مدار انصار مدینہ کے مسلمانوں کی فیاضی و سخاوت، مہمان نوازی و میزبانی اور مالی اخلاق نصرت وامداد کی مرہون منت تھی۔ اسی فیاضی و سخاوت بلکہ دولت وجائیداد میں شراکت کی وجہ سے مکہ میں رہنے والے مسلمان اقتصادی طور مضبوط ہوئے۔

ا۔ احکام تجارت اور لین دین کے مسائل، مولانا عبد الرحمن کیلانیؒ، مکتبہ اسلام، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۹۱

۲۔ انساب الانشراف، احمد بن یحیٰی البلاذری، ادارۃ المعارف، قاہرہ، ۱۹۹۷ء، ۲۶۱/۱

۳۔ ایضا

۲۔ ہجرت مدینہ:

ہجرت نبوی ﷺ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم کی گئی تو اس وقت آبادی کے اعتبار سے مسلمانوں کے دو سماجی طبقے مہاجرین اور انصار تھے۔ ان کے علاوہ یہودیوں پر مشتمل ایک اہم طبقہ بھی مدینہ کی آبادی کا ایک حصہ تھا یہودیوں کا طبقہ جو بیس سے اوپر چھوٹے بڑے قبیلوں پر مشتمل تھا۔[۱] اقتصادی لحاظ سے خوشحال تھا۔ اور مدینہ کی معیشت اسی طبقہ کے ہاتھ میں تھی ان میں بنو قینقاع اور کچھ دوسرے خاندان اور قبیلے تاجر اور دستکار تھے وہ بہت زیادہ دولت مند لوگ تھے اور ان کا اپنا خاص بازار تھا۔ جو بہت بڑی تجارتی منڈی کے طور پر شمار کیا جاتا ہے۔ متعدد دوسرے یہودی قبیلے زراعت کے پیشے سے منسلک تھے تجارت زراعت اور دستکاری۔ عہد نبوی ﷺ میں مہاجرین مکہ کی طرح انصار مدینہ کے بھی معاشی لحاظ سے تین طبقے تھے۔

جغرافیائی پس منظر کی وجہ سے دونوں مسلم طبقات میں مکی مسلمان زیادہ تر تجارت جبکہ ان کے مدنی بھائی زیادہ تر زراعت پیشہ تھے۔[۲] مہاجرین مکہ میں سے اکثر حضرات نے مدینہ منورہ میں قیام کے فورا بعد آبائی پیشہ تجارت شروع کر دیا تھا اور کچھ لوگ زراعت کے پیشے سے منسلک ہو گئے تھے بعض انصار نے اپنی اراضی نبی کریمؐ کے حوالے کر دی تھی نبی کریم ﷺ نے ان زمینوں کو سکونت وزراعت کے لیے مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ بہت سے مکی مسلمانوں نے بیک وقت زراعت اور تجارت دونوں میں دلچسپی لی تھی اور اس طرح انہوں نے مدینہ کی معیشت میں دوہرا حصہ لیا تھا۔ انصار میں مویشی خاص طور پر دودھ دینے والے جانور پالنے کا رواج عام تھا۔[۳] مہاجرین میں سے بہت سے لوگ نقد و جنس میں نہ صرف دولت ساتھ لائے بلکہ انہوں نے تجارت کا بازار گرم کر دیا تھا ان میں سے بعض صحابہ زراعت کے پیشے سے منسلک ہو گئے تھے اور بعض نے دونوں پیشوں میں دلچسپی لی اور مہارت حاصل کی تھی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ کے دولت مند تاجروں میں شمار کیے جاتے تھے کیونکہ ان میں مختلف اشیاء کی تجارت کا خداداد ملکہ پایا جاتا تھا۔[۴]

۳۔ مؤاخات مدینہ:

آپ ﷺ نے اسلامی معاشرت اور مواخات کے فروغ کے لیے انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک نیا رشتہ قائم کیا، یعنی مدینے کی نئی آبادی مہاجر و انصار کے درمیان نئے تعلقات قائم کیے۔

۱۔ الواقدی محمد بن عمر، کتاب المغازی، دار العلم، بیروت، ۱/ ۴۰۰

۲۔ انساب الاشراف، احمد بن یحییٰ البلاذری، ۲/ ۳۱۳

۳۔ الواقدی محمد بن عمر، کتاب المغازی، ۱/ ۴۰۱

۴۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن اثیر ابی الحسن علی بن محمد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۴ء، ۳/ ۳۱۶

دو مختلف قومیں، مختلف روایات کی علَم بردار ہیں۔ قریش عرب میں ایک اُونچا مقام رکھتے تھے مگر یہاں وہ ایک مجبور اور مہاجر کی حیثیت سے آئے تھے۔ یہ ایک نہایت ہی سنگین مسئلہ تھا کہ کیسے اس معاشرے میں ایک نیا بھائی چارہ، نئی اخوت قائم کی جائے اور معاشرتی تعلقات قائم کیے جائیں اس کو مواخات کہا جاتا ہے اور یہی مواخات اسلامی وحدت اور اُمت بنانے کی بنیاد بن گئی اور مدینے کو صحیح معنوں میں مدینہ بنا دیا۔ اور پھر نبی کریم ﷺ نے مہاجرین کو انصار پر بوجھ بننے نہیں دیا بلکہ ان کا مددگار بنا دیا، انصار کھیتوں، باغوں اور تجارت والے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک انصاری کے ساتھ ایک مہاجر کو لگا دیا کہ وہ کھیت یا تجارت میں اسکی مدد کر کے اپنا اور اپنے خاندان کے لئے کھانے پینے کا جائز بندوبست کرے۔ اس طرح نبی کریم ﷺ نے مہاجرین کو انصار پر معاشی بوجھ بننے سے بچایا اور مدینے کے اندر امن قائم کیا۔[1]

۴۔ حمیٰ: (سرکاری چراگاہیں)

عرب کے ریگزاروں میں حمی کی تلاش بھی عربوں کی زندگی کا حصہ رہی ہے کیونکہ حمی عربوں کی معاشی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے عرب کے گلہ بان معاشرے اور زرعی خطوں میں پرورش پانے والے حیوانات کے حوالے سے حمی کی بہت اہمیت ہے اس وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ۰ چراگاہوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا اور تمام مسلمانوں کے لیے پانی آگ اور چراگاہ کو مشترکہ ملکیت قرار دیا تھا۔[2] بھیڑ بکریوں اور دیگر حیوانات کے لیے مدینہ منورہ کے اردگرد چراگاہیں مخصوص کر دی تھیں۔ الماوردی نے حمی کی درج ذیل تعریف کی ہے "زمین کے جو قطعات اس غرض سے آباد نہ کرنے دیئے جائیں کہ ان میں گھاس اور چارہ اگے اور جانوروں کے چرنے کے لیے مباح ہو ان کو حمی کہتے ہیں"۔[3] نبی کریم ﷺ نے موجود چراگاہوں کو تحفظ دیا اور نئی چراگاہیں آباد کرنے کی ترغیب بھی دی نیز نبی کریم ﷺ نے خود بھی جانور پالے اور دوسروں کو بھی ترغیب دی کیونکہ تجارت، کاشتکاری اور گوشت دودھ کی فراہمی کے لیے یہ اقدام بہت ضروری تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ اور اس کے چاروں طرف بارہ میل کی خاردار جھاڑیوں کو کاٹنے اور جلانے سے منع کر دیا تھا۔[4]

واضح رہے کہ یہ جھاڑیاں اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے لیے خوراک کا کام دیتی تھیں نیز جلانے کا کام بھی آتی تھیں امام یوسفؒ اس بیان کردہ روایت کی وضاحت میں بیان کرتے ہیں "بعض اہل علم کے نزدیک نبی کریم ﷺ

۱۔ نظام الحکومۃ والنبویہ، عبدالحیٔ کتانی، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۷۹ء، ص:۱۲۴

۲۔ سنن ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، باب المزارعہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۸ء، ص:۱۸۰

۳۔ الاحکام السلطانیہ، ابوالحسن علی، دارالطبع، حیدر، آباد، ۱۹۳۱ء، ص:۲۲۸

۴۔ کتاب الخراج، امام ابویوسف، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۷۹ء، ص:۱۲۴

کے اس فرمان کی مصلحت یہ ہے کہ چونکہ یہ جھاڑیاں اونٹ، گائے اور بھیڑوں کے چارے کے کام آتی ہیں لہذا ان کو اس مقصد کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔[1] امام ابو عبیدہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک پہاڑی پر چڑھے اور میدان بقیع کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ میری چراگاہ ہے۔[2] اس چراگاہ کو نبی کریم ﷺ نے مہاجرین وانصار کے گھوڑوں کے چرنے کے لیے خاص کر دیا تھا نیز جہاد میں کام آنے والے جانور بھی اس چراگاہ میں چرا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حمیٰ صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔[3] اللہ ورسول کے ذریعہ یہ اختیار اسلامی حکومت کو پہنچتا ہے کہ وہ لوگوں کے اجتماعی نفع کی خاطر کسی زمین کے ٹکڑے کو حمی قرار دیدیں۔ زرعی معیشت میں حمی کی اس قدر اہمیت اوراس کے اتنے فوائد ہیں کہ آج کے دور میں بھی زرعی ملکوں میں چراگاہوں کے لیے زمین کے ٹکڑے مخصوص کیے جاتے ہیں اور چراگاہیں اگانے کے لیے مراعات دی جاتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے چراگاہوں کے مخصوص کرنے کا جو اہتمام فرمایا وہ ایک بہترین حکمت عملی تھی جس کے تحت آپ ﷺ نے قابل کاشت زمینوں کو زراعت کے لیے استعمال فرمایا جہاں گھاس اور چارہ اُگایا گیا اور اسے جانوروں کے لیے مخصوص فرمایا تا کہ ان چراگاہوں میں جانور گھاس چر سکیں۔ اس مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ نے خود بھی جانور پالے اور لوگوں کو بھی ترغیب دی کہ لوگ اپنی زمینوں کو زراعت کے مقصد کے لیے بھی استعمال کریں اور جانور پالیں تا کہ کاشتکاری کے ساتھ لوگ دودھ اور گوشت کی پیداوار حاصل کریں اس طرح لوگوں کو اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے تجارت جیسے شعبوں میں دلچسپی پیدا ہوئی اور ریاست مدینہ میں معاشی ترقی کی راہ ہموار ہوئی ساتھ ہی ساتھ بعض زمینوں کو دفاعی منصوبوں کے لیے استعمال میں لایا گیا۔

زمینوں کی آبادکاری کا توسیعی منصوبہ:

نبی کریم ﷺ نے مدینہ اور اس سے ملحق مواضعات کی آبادکاری اور بندوبست کے علاوہ عرب کے دیگر علاقوں کی طرف بھی پوری توجہ فرمائی جس کا بنیادی مقصد اسلام کی ترغیب اور عدل کا قیام تھا۔ لیکن اس کے علاوہ عرب کی زیادہ سے زیادہ اراضی کو آباد بنانا بھی تھا۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے لوگوں نے تیزی سے اسلام کو قبول کرنا شروع کر دیا اور عرب کا متعدد حصہ نبی کریم ﷺ کے زیر نگین آگیا تو نبی کریم ﷺ نے مختلف قبائلوں کی املاک اور اراضی کے بارے میں تحریری احکامات جاری فرمائے یہ ایک طرح سے آبادکاری کا توسیعی منصوبہ تھا جس پر نبی کریم ﷺ نے فوری عملدرآمد شروع کر دیا اور عرب کے جن خطوں میں زراعت ممکن تھی اور آبپاشی کی کوئی

۱۔ کتاب الخراج ،امام ابو یوسف، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۷۹ء، ص:۱۲۴

۲۔ وفاء الوفا دار المصطفی ،نورالدین علی بن احمد السمہودی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۷۴ھ، حدیث:۱۰۸۳، ۲/ ۹۸

۳۔ الاحکام السلطانیہ ،ابوالحسن الماوردی، ص:۱۲

صورت موجود تھی وہاں زراعت و کاشتکاری کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ عرب کے نئے علاقوں میں رسول اللہ ﷺ کی عمومی پالیسی وہی تھی جو مدینہ و مضافات کی بستیوں کے لیے تھی اس کی نمایاں خصوصیات یہ تھیں کہ جو قبیلہ زمانہ جاہلیت سے جن املاک پر قابض اور متصرف چلا آرہا ہے اس پر اسی قبیلہ کو بحال رکھا گیا اور وہاں کی غیر آباد اراضی کو اسی قبیلہ کے افراد میں تقسیم کر دیا گیا اس سلسلہ میں قبیلہ جہینہ کی مثال پیش کی جاسکتی ہے جس کے ایک تحریر کے ذریعے اس زمین پر مالکانہ حقوق تسلیم کر لیے گئے جس پر ان لوگوں نے نشان لگا کر پہلے ہی کاشت شروع کر رکھی تھی۔[1] زرعی عمل کو جاری اور مسلسل رکھنے کے لیے بعض افراد کو زمینوں پر بحال رکھا گیا۔ اور بعض کو نئی اراضیات دی گئیں مثلاً قبیلہ ازد کے خالد بن ضماد کو تحریری فرمان جاری کیا گیا کہ انہوں نے جس حالت زمینداری میں اسلام قبول کیا ہے وہ اسی میں رہیں گی۔ اور حضر موت کے رئیس وائل بن حجر[2] کو ایک نیا قطعہ اراضی الاٹ کیا گیا۔

نبی کریم ﷺ کے ان اقدامات کے تحت مدینہ اور اس کے مضافات میں رہنے والے افراد کی بے کار زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے جن افراد کی ملکیت میں جو زمینیں تھیں اور وہ ان پر کاشت کر رہے تھے آپ ﷺ نے ان کو وہی زمینیں الاٹ کیں تاکہ وہ زراعت کرتے رہیں اور ان علاقوں کی بے آباد زمینوں کو بھی قبائل میں تقسیم کیا تاکہ وہ ان زمینوں پر کاشتکاری کریں جس سے لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہو سکے اور آپ ﷺ کے ان اقدامات نے لوگوں کی معاشی زندگی پر مثبت نتائج مرتب کیے۔

نظام آبپاشی کی اصلاح:

نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں نظام آبپاشی کی اصلاح فرمائی نیز پانی کی تقسیم کے اصول مقرر فرمائے۔ کیونکہ آپ ﷺ بخوبی آگاہ تھے کہ ان کے بغیر زمینوں کی آبادکاری کا مقصد پورا ہونا ممکن نہیں آپ علیہ اسلام نے زرعی مقاصد کی خاطر استعمال ہونے والے پانی کے لیے درج ذیل اصول و ضوابط مقرر فرمائے۔

- بارش، دریا اور کسی بھی قدرتی ذریعہ سے میسر آنے والا پانی سب کا مشترکہ ہے۔
- بالائی زمینوں کے مالکان پانی کو روک نہیں سکتے وہ جب پانی استعمال کر لیں تو ان پر لازم ہو گا اگلی زمینوں میں پانی دیں۔
- ضرورت سے زائد پانی کی فروخت سختی سے منع کر دی گئی۔
- کھیتوں کے اردگرد گھاس اگنے کے سدباب کے لیے پانی کو روکنا ممنوع قرار دے دیا گیا۔

۱۔ مکتوبات نبوی، محمود احمد رضوی،، مکتبہ رضویہ، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص:۴۸

۲۔ (حضرت وائل بن حجر حضری رضی اللہ عنہ۔ ان کا لقب ابو ہنیدہ تھا۔ آپ حضر موت کے رئیسوں میں سے ایک تھے اور آپ کے والد وہاں کے بادشاہوں میں سے تھے۔ البدایہ والنہایہ، ۷/ ۳۳۰)

- چشمہ، نہر یا کنویں سے جانوروں کو پانی پینے سے نہیں روکا جاسکتا۔
- چشمے، نہر اور کنویں کا حریم مقرر کر دیا اس سے مالک کو ان چیزوں کے ساتھ تھوڑی زمین میسر آجاتی تھی۔

اس طرح نہر اور کنویں کھودنے کی ترغیب دی گئی اور ایک کنویں کے حریم میں دوسرا کنواں کھودنے سے منع کر دیا گیا۔[۱]

جنگلات اور معدنیات:

رسول پاک ﷺ کی پالیسی رہی کہ کی جنگلات اور معدنی ذخائر کو ذاتی ملکیت میں دینے کی بجائے اجتماعی مفاد کے لیے رکھنا پسند کرتے تھے چنانچہ جنگلات پر مشتمل تمام اراضی آپ ﷺ نے اپنی تحویل میں لے لی تھی البتہ جنگلوں کو ٹھیکے پر دینے کا ثبوت ملتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سلیہ کا جنگل قبیلہ قدمان کو ٹھیکہ پر دیا تھا جہاں تک معدنی ذخائر کا تعلق ہے تو ابیض بن حمال کو دی گئی زمین لے لی کہ نبی کریم ﷺ کو لوگوں نے مطلع کیا کہ وہ نمک کی کان ہے۔[۲]

رسول اللہ ﷺ نے جنگلات اور معدنیات کے تحفظ کے لیے جو عملی اقدامات فرمائے وہ معاشی منصوبہ بندی کی ایک بہترین مثال ہے جو آج کی معاشی حکمت عملی کے لیے ایک قانون کی حیثیت رکھتی ہے آپ ﷺ نے واضح حکمت عملی دی کہ جنگلات اور تمام تر معدنی ذخائر جو کہ عوام الناس کی فلاح کا ذریعہ ہیں اسے کسی ایک کی ذاتی ملکیت میں دینے کے بجائے اسے حکومت اپنی تحویل میں رکھے تاکہ اسے تمام لوگوں کی فلاح کے لیے استعمال کیا جاسکے۔ ابیض بن حمال سے زمین کی واپسی بھی محض اس لیے تھی کہ آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ اس زمین پر نمک کے کان ہے جس سے عوام الناس کا فائدہ منسلک ہے اور کسی ایک فرد کی ملکیت میں ایسی زمین کے ہونے سے نقصان یا عوامی مفاد کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ ان اقدامات کے نتیجے میں معدنی ذخائر اور جنگلات سے حاصل ہونے والی لکڑی، پیداوار اور دیگر اشیاء کو حکومت اپنے زیر نگرانی رکھ کر لوگوں کے اجتماعی مفاد پر خرچ کر سکے گی جس سے لوگوں کو بھی فائدہ حاصل ہو گا اور ملکی معیشت میں بھی بہتری آئے گی۔

شجر کاری:

نبی کریم ﷺ نے کاشتکاری اور زراعت کے ساتھ شجر کاری کی بھی حوصلہ افزائی فرمائی کیونکہ شجر کاری بھی زراعت کا اہم جزو قرار پاتا اور بہت مفید عمل ہے اس سے لوگوں کی بہت سی ضروریات پوری ہوتی ہیں درختوں کو زرعی دولت کا نام دیا جاتا ہے اور آج بھی شجر کاری کے لیے تحریکیں چلائی جاتی ہیں درخت موسم کو خوشگوار بنانے

۱۔ الاحکام السلطانیہ، ابو الحسن علی، ص:۲۷۶

۲۔ کتاب الاموال، ابو عبید القاسم بن سلام، مکتبہ الکلیات الازھریۃ، مصر، ۱۹۷۵ء، ۲/۲۷۱

اور آندھیوں کے زور کو کم کرنے کا باعث بنتے ہیں عرب کے مخصوص جغرافیائی خطے میں تو اس عمل کی اشد ضرورت تھی۔ درختوں کی لکڑی، اس کا سایہ اور پھل انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھے جاتے ہیں اسی لیے نبی کریم ﷺ نے عام درختوں اور پھل دار درختوں کی کاشت کی تلقین و ترغیب دی۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَامِنْ مُسلِمٍ یَغرِسُ غَرْسًا اِلاَ کَانَ مَا اَکَلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَه وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌوَمَا اَکَلَ السبُعُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ مَا اَکَلَتِ الْطَیرُفَهُو لَه صَدَقَةٌ))[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان درخت لگائے اس میں سے جو کچھ پرندے کھائیں وہ صدقہ ہے اور جو کچھ کوئی شخص اس میں سے لیتا ہے وہ بھی صدقہ ہے۔

خلاصہ حدیث ہے کہ درخت لگانا ثواب ہے اور اس سے جو بھی فائدہ اٹھاتا ہے وہ مالک کی طرف سے ہوتا ہے اس طرح خیر اور نیکی کے فطری جذبہ کو ابھار کر اور ثواب کی تحریص سے شجرکاری کی ترغیب دی گئی۔ طبقات میں بیان ہوا ہے کہ حضرت سلمان فارسی نے تین صد یا پانچ صد پودے لگائے اور نبی کریم ﷺ کے حکم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے حضرت سلمان کی مدد فرمائی، پورا قصہ یوں بیان ہوا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مکاتب بن جاؤ میں نے اپنے آقا سے کہا تو انہوں نے مجھے اس شرط پر مکاتب بنایا کہ میں اس کے لیے کھجور کے تین صد پودے لگا دوں اور چالیس اوقیہ دوں۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اس سلسلہ میں اپنے بھائی کی مدد کرو ہر شخص نے اپنی استطاعت کے مطابق تیس، بیس، پندرہ اور دس سے میری مدد کی۔ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا سلمان جاؤ اور ان کے لیے گڑھے کھود و لیکن میرے آنے تک درخت نہ لگانا میں خود اپنے ہاتھ سے درخت لگاؤں گا پھر جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور اپنے ہاتھوں سے درخت رکھنے لگے اور دعا برکت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ ان سب سے فارغ ہو گئے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں سلمان کی جان ہے اُن میں سے کوئی پودا نہیں مرجھایا۔[2]

یہ نبی کریم ﷺ کی برکت تھی جس سے پودے لگانے کے بعد سو فیصد نتائج حاصل ہوئے۔ ورنہ زراعت کے جدید ترین طریقے اختیار کر کے بھی سو فیصد نتائج حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ حضور کریم ﷺ نے خودرو پودوں اور درختوں کے کاٹنے سے منع کیا تھا اور ایسے درختوں کی فروخت وغیرہ بھی ناجائز قرار دے دی تھی۔

۱۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، حدیث:۱۲۴۲، ۲/ ۲۴۲

۲۔الطبقات الکبری ، ابن سعد، مکتبہ الخانجی، قاہرہ، ۲۰۰۱ء، ۴/ ۷۹

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے درختوں کی قیمت مت کھانا کیونکہ یہ حرام ہے۔[1] یہ وہ درخت تھے جو کسی کی ملکیتی زمین میں نہیں بلکہ چراگاہ یا افتادہ زمین میں، بغیر بیج ڈالے اور پانی دیئے اگ آئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے ارد گرد بارہ میل تک خاردار جھاڑیوں اور خورد درختوں کو کاٹنے سے منع کر دیا تھا۔[2]

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان کا پھلدار درخت لگانا صدقہ ہے[3]۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں کہ جس شخص کو درخت کاٹتے دیکھو اسے مارو اور جو کچھ اس کے پاس ہو چھین لو۔[4] اصلا یہ حکم حمیٰ کے درختوں کے لیے تھا لیکن اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پالیسی تحفظِ اشجار کا اظہار ہوتا ہے۔

شجر کاری کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اقدامات فرمائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پھل دار درختوں کی شجر کاری کی طرف ترغیب دلائی نیز درختوں کی کٹائی سے بھی منع فرمایا اس کے لیے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان کے اُخروی فائدے سے آگاہ فرمایا وہیں اس سے لوگوں کے دنیاوی فائدے سے بھی لوگوں کو آگاہ فرمایا جس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے لوگوں کو پھل بھی میسر آئے گا لوگ ان پھلوں کو مارکیٹ اچھے داموں فروخت کرکے ان سے تجارتی نفع حاصل کرسکتے ہیں جس سے نہ صرف تجارت کو فروغ حاصل ہوا بلکہ ملکی معیشت میں بھی خاطر خواہ ترقی ہوئی۔ لوگوں نے اس مقصد کے لیے بے آباد زمینوں کو آباد کیا جس سے لکڑی کی پیداوار میں اضافہ ہوا نیز ان زمینوں میں کھتیاں اگائی گئیں۔ جس سے اناج میں اضافہ ہوا اور ماحول میں بھی بہتری ہوئی کیونکہ درخت بارش کا باعث بنتے ہیں اور بارشیں زمین کی آبادکاری میں نہایت مفید ہیں۔

پرورش حیوانات:

پرورش حیوانات، زراعت کا اہم شعبہ سمجھا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس پر پوری توجہ دی اور جانور پالے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی اس سے ثابت ہوا کہ زراعت کی ساری جزئیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منصوبہ بندی کا حصہ تھیں۔ پرورش حیوانات کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدامات کو ترتیب وار ذکر کیا جارہا ہے۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی، چراگاہ اور آگ کو مشترکہ ملکیت قرار دے کر حمیٰ سرکاری تحویل میں لے لیں۔ پہلے سے

۱۔ کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ص: ۱۲۴

۲۔ ایضا: ص: ۱۲۵

۳۔ صحیح بخاری، امام بخاری، حدیث: ۱۲۵۶، ۲۱۳/۱

۴۔ جامع ترمذی، امام ابو عیسیٰ، حدیث: ۸۷، ۵۲/۱

موجود چراگاہوں کا انتظام سرکاری سطح پر کیا اور نئے حمیٰ بھی قائم فرمائے اسی طرح نبی کریم ﷺ نے پرورش حیوانات کے وسیع امکانات پیدا کر دیئے۔

۲۔ عربوں کی زندگی میں صحرا اونٹ کھجور اور چراگاہ بہت اہمیت رکھتے تھے وہ چراگاہوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے کیونکہ ان کی اصل دولت جانور ہوتے تھے جن سے وہ گوشت اور دودھ حاصل کرتے تھے آپ علیہ اسلام نے چراگاہوں کو بھی تحفظ فراہم کیا ان کو وسعت بھی دی اور عربوں کی برسوں کی روایت کو مستحکم اور وسیع کیا اور لوگوں میں پہلے سے زیادہ پرورش حیوانات کا جذبہ پیدا کیا۔

۳۔ نبی کریم ﷺ نے بذریعہ اپنے ارشادات بھی لوگوں میں پرورش حیوانات کا رجحان پیدا فرمایا نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اتخذی غنما فان فیھا برکۃ)) (۱)

ترجمہ: تم بکریاں لو کہ بکریوں میں برکت ہوتی ہے۔

نیز فرمان مصطفی ﷺ ہے: (جن کے ہاں تین بکریاں رات کو چر کر آئیں ان کے ہاں رات بھر فرشتے رہتے ہیں) (۲)

۴۔ نبی کریم ﷺ نے انبیاء اور اپنی مثالیں دیکر لوگوں کو اس عمل پر ابھارا۔

حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: (کوئی بھی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا گیا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں عرض کیا گیا آپ نے بھی یا رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں نے بھی، میں اہل مکہ کی بکریاں قراریط پر چراتا تھا۔ (۳) انبیاء کرام اور نبی ﷺ کے بکریاں چرانے کے دوسرے بلند ترین مقاصد بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس کو اپنے انبیاء کے حوالے سے بیان کرنے کی ایک مصلحت پرورش حیوانات کا رجحان پیدا کرنا بھی ہو سکتا ہے۔

۵۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعے بھی لوگوں میں یہ رجحان پیدا فرمایا۔ آپ علیہ اسلام کے پاس بھی بہت سے جانور تھے جو مدینہ میں مختلف چراگاہوں میں چرا کرتے تھے چنانچہ عبد السلام بن جبیر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی کئی ایک دودھ دینے والی اونٹنیاں تھیں جو ذی الحدر اور رجماء میں چرا کرتی تھیں۔ (۴)

۶۔ تاریخ طبری میں آپ ﷺ کے جانوروں کے بارے میں تفصیل موجود ہے جو مختلف اوقات میں آپ ﷺ

۱۔ سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ، کتاب التجارات، حدیث: ۲۳۰۴، ۲/۲۳۶

۲۔ صحیح بخاری، امام بخاری، باب رعی الغنم، حدیث: ۲۲۶۲، ۱/۳۰۱

۳۔ صحیح بخاری، امام بخاری، کتاب الاجارۃ، باب رعی الغنم عن قراریط، حدیث: ۲۲۶۲، ۱/۳۰۱

۴۔ تاریخ طبری، محمد ابن جریر طبری، مؤسسۃ العلمیہ، بیروت، ۱۹۶۷ء، ۱/۴۲۳

کے پاس رہے اور رسول اللہ ﷺ نے پرورش حیوانات کے لیے معاون حالات پیدا کئے اور اس سلسلہ میں حمیٰ چراگاہوں کی حفاظت کا اہتمام بھی کیا اور ان کو وسعت بھی دی اور بعض قدرتی گھاس کی حامل وادیوں کو جانوروں کے چرنے کے لیے مختص کر دیا۔ نیز جانوروں کو پالنا عین ثواب قرار دیا ۔ جس سے لوگوں میں اس کام کے لیے زبردست رجحان پیدا ہوا۔ اس رجحان میں مزید اضافہ کی خاطر نبی کریم ﷺ نے اپنی اور انبیاء کرام علیہم السلام کی مثالیں دیں اور خود جانور پال کر صحابہ کو اس مفید عمل کے لیے زبردست داعیہ عطا فرمایا۔

ان اقدامات کا اثر یہ ہوا کہ جہاں لوگ بے آباد زمینوں کو آباد کر رہے تھے وہیں ان زمینوں پر گھاس اور دیگر اشیاء اُگا کر ملکی معیشت کی بہتری میں حصہ لے رہے تھے حمیٰ کے تحفظ اور حیوانات کی پرورش کی ترغیب نے لوگوں میں محنت کے جذبے کو ابھارا لوگوں نے انبیاء کی میراث کو اپنایا اور جانوروں کو پالنے میں دلچسپی لی اس سے لوگوں کی دودھ اور گوشت کی پیداوار میں اضافہ ہوا اور لوگوں نے ان کی خرید و فروخت شروع کی اور لوگوں کی معاشی حالت میں بہتری آئی۔ انہی اقدامات کی روشنی میں آج ڈیری فارمنگ کے شعبے کو فروغ حاصل ہوا جو کہ ایک منافع بخش کاروبار ہے اور اس کے ذریعے خاطر خواہ زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ نیز جانوروں کی کھال سے حاصل ہونے والی اُون کے ذریعے کپڑا تیار کرنے کے لئے بڑی بڑی صنعتوں کا قیام بھی عمل میں لایا گیا جس میں جدید طریقوں کے ذریعے کپڑا تیار کر کے اسے برآمد کیا جاتا ہے جس سے نہ صرف لوگوں کو روزگار میسر آتا ہے بلکہ ملکی معیشت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

کاشتکاری کی ترغیب اور کسانوں کی خوشحالی کے لیے اقدامات:

نبی کریم ﷺ کی مدینہ و مضافات والی زمینوں کی آبادکاری میں دلچسپی کی وجہ سے مدینہ کی زراعت کافی ترقی کر گئی آپ ﷺ نے قریش جیسے غیر زراعت پیشہ قبیلہ کو کاشت کاری اور کھیتی باڑی پر لگا دیا۔

چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت زبیر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنھم جیسے تاجر افراد نخلستان اور کھیتوں کی آبادکاری میں مشغول ہو گئے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے اہل کھیتی باڑی اور باغات کی نشو و نما میں گہری دلچسپی لینے لگے۔ عہد جاہلیت میں یثرب کے نظام آبپاشی میں کوئی باقاعدگی نہ تھی نیز دوسروں سے پانی روکنے اور زائد از ضرورت پانی کی فروخت سے منع فرمایا۔ بیراج اور کنوؤں کے ذریعہ آبپاشی کی اصلاح فرمائی کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ زراعت کے جسم میں دوڑنے والا خون ذرائع آبپاشی سے فراہم ہوتا ہے نظام آبپاشی کی اصلاح سے لوگوں میں کھیتی باڑی کا زبردست رجحان پیدا ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے ملکیت و تحفظ ملکیت کو یقینی بنایا۔

اسلام سے قبل حقوق ملکیت کا تصور موجود ضرور تھا لیکن اس کو کوئی تحفظ حاصل نہ تھا قبائلی معاشرے میں ملکیت کا تعین طاقت کرتی تھی نبی کریم ﷺ نے عدل وانصاف کی بناء پر حقوق متعین کیے اور ان کے تحفظ کو یقینی بنا کر لوگوں میں اعتماد پیدا کیا۔ قرآن حکیم نے چوری کی سزا قطع ید قرار دی ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[۱]

ترجمہ: چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ایک ایک ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان جرم کی سزا اور اللہ کی طرف سے عبرت کے طور پر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے سخت ترین الفاظ اور قرآن کریم کی سخت ترین سزا سے حق ملکیت کے تقدس کا پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں یہ کس قدر محترم چیز ہے ان تمام احکامات سے حق ملکیت محفوظ ہو گیا آپ ﷺ کے احکامات فائلوں کی زینت بننے کے لیے نہ ہوتے تھے بلکہ ان کے عملی نفاذ سے مطلوبہ مقاصد حاصل کیے جاتے تھے حق ملکیت کو زراعت کی ترقی کی بنیاد سمجھا جاتا ہے حق ملکیت کے تحفظ کے ان کے اقدامات سے لوگوں میں زراعت سے لگاؤ اور کھیتی باڑی سے رغبت پیدا ہوئی۔

چنانچہ فرمان مصطفی ﷺ ہے:

((رَبُّ الْاَرْضِ اَنْ يَزْرَعُهَا اَوْ يُزْرِعُهَا))[۲]

ترجمہ: مالک زمین یا تو خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لیے دے دے۔

((فَلَاْ تَفْعَلُوْ اِزْرَعُوْهَا اَوْ اَزْرَعُهَا اَوْاَمْسِكُوْهَا))[۳]

ترجمہ: ایسا نہ کرو یا خود کاشت کرو یا دوسروں کو زراعت کے لیے دیدو یا اپنی زمینوں کو روک رکھو۔

نبی کریم ﷺ اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے اور صحابہ کرام کو بھی اس کی ترغیب دیتے کہ اپنے ہاتھ سے کام کریں اس ترغیب اور تربیت کے نتیجے میں صحابی رسول ﷺ اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کرنے کو باعث افتخار سمجھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

۱۔ سورۃ المائدہ: ۵/ ۳۸

۲۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، باب المزارعۃ، حدیث: ۱۲۵۴، ۲/ ۱۳

۳۔ صحیح بخاری، امام بخاری، باب المزارعۃ، حدیث: ۱۳۵۱، ۱/ ۳۱۵

((كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَوْمًا عُمَالُ اَنْفُسَهُم كَانُو يُعَالِجُونَ اَرَاضِيْهِمْ بِاَيْدِيْهِمْ))(۱)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے اصحاب خود کام کرنے والے لوگ تھے وہ اپنی زمینوں پر اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے لوگوں کو کاشت کاری کے بارے میں رغبت کاری پیدا ہوئی اور اگر کوئی مجبوری نہ تھی تو لوگ خود کاشتی کو ترجیح دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے کیے گئے اقدامات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ دینِ اسلام نے سود کو حرام وناجائز قرار دے کر انسانی معیشت میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْ﴾(۲)

ترجمہ: اور اس نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

قرآن کریم نے سود کو اللہ اور اس کے حبیب سے جنگ قرار دیا۔

﴿فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ﴾(۳)

ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے عملاً مسلم معاشرے سے سود کو مکمل طور پر ختم کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو عملی صورت دی کہ:

﴿يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰاْ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَٰتِ ۗ﴾(۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

ان احکامات کا اطلاق زرعی شعبہ پر بھی ہوا روایات سے معلوم ہوا کہ مدینہ اور طائف میں زرعی قرضوں کا نظام رائج تھا کسان اپنی ضروریات پوری کرنے یا زرعی آلات وغیرہ خریدنے کے لیے قرض لیتے تھے مدینہ میں یہودی ساہوکار کسانوں کو قرض دیتے تھے حضرت عباس بھی ان ساہوکاروں میں سے تھے جو مدینہ کے کسانوں کو قرض دیا کرتے تھے۔ اور جب فصل پکتی تھی تو وصولی کے لیے پہنچ جاتے تھے طائف میں بھی سود کی یہی صورت پائی

۱۔ السنن الکبری، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۳ء، ۱۲۷/۶

۲۔ سورۃ البقرۃ: ۲/۲۷۵

۳۔ سورۃ البقرۃ: ۲/۲۷۹

۴۔ سورۃ البقرۃ: ۲/۲۷۶

جاتی تھی وہاں کے کسان بھی ساہوکاروں کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے۔اس میں شبہ نہیں کہ عہد رسالت میں تجارتی اور کاروباری شعبوں میں سود کی لعنت موجود تھی تاہم یہ کہنا بھی حقیقت سے قریب ہے کہ سود کی لعنت نے کسانوں کو بری طرح سے جکڑا ہوا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے مہاجرین وانصار میں اور عرب کے وہ علاقے جہاں زراعت ممکن تھی میں زراعت اور کھیتی باڑی کی ایک تحریک پیدا کردی جس سے وسائل میں بھی اضافہ اور پیداوار میں بھی ۔جس کے نتیجے میں معاشرے میں خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔زرعی ترقی کے لیے کسان کا خوشحال اور خود کفیل ہونا بنیادی شرط ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے کسان کی خوشحالی اور سہولت کی خاطر متعدد اقدامات فرمائے۔جس کے نتیجے میں عرب کا زرعی نظام مضبوط ہو گیا اور ظلم وجبر اور استحصال کا شکار کسان سکھ کا سانس لینے کے قابل ہوا۔زرعی شعبہ بھی اس سے بری طرح متاثر تھا اور زیادہ تر بوجھ کسانوں پر تھا نبی کریم ﷺ نے عرب کے کسانوں کو سود سے چھٹکارا دلایا اور مدینہ وطائف کی زرعی معاشرت کے تناظر میں حرمت ربو کے احکامات نے عمیق ووسیع اثرات مرتب کئے۔اور ان علاقوں کے کسان معاشی بدحالی کی دلدل سے نکل کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو گئے۔

خلاصہ بحث:

اس فصل میں رسول اللہ ﷺ کی آمد سے قبل عرب کے معاشی حالات کو بیان کیا گیا ہے آپ ﷺ کی آمد سے قبل عرب کے لوگ ہاتھ سے کام کرنے کو عیب سمجھتے تھے جبکہ عرب کے شرفاء مویشی پالنے کو قابل فخر سمجھتے تھے۔ عرب کی زمین کا زیادہ تر رقبہ ناقابل کاشت تھا اور جو حصہ قابل کاشت تھا اس پر توجہ نہ دی جاتی تھی البتہ یمن کے علاقوں میں دستکاری کی جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد کے بعد آپ ﷺ نے تجارت کو بطور پیشہ اپنایا لیکن آپ ﷺ نے زراعت کے شعبے پر بھی خصوصی وجہ دی آپ ﷺ نے خود بھی کاشت کاری کی اور آپ ﷺ سے قبل مختلف انبیاء نے بھی زراعت کے پیشے کو اپنایا۔ ہجرت مدینہ کے وقت بھی جب آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو معاشی مسائل کے حل کے لیے آپ نے مہاجرین و انصار کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا چونکہ بعض انصار زراعت سے منسلک تھے جبکہ بہت سے مہاجرین تجارت سے واقف تھے۔ لہذا بعض نے تجارت اور بعض نے زراعت کو بطور پیشہ اختیار کیا تاکہ اپنے انصار بھائیوں پر معاشی بوجھ نہ ڈالیں۔

آپ ﷺ نے معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لیے چند اصلاحات فرمائیں آپ ﷺ نے زمینوں کی آباد کاری کا توسیعی منصوبہ بھی فراہم کیا جس کا مقصد زمینوں کو آباد کرنا تھا اور قابل کاشت بنانا اور ان پر کاشت کاری کرنے کی ترغیب دینا تھا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے نظام آبپاشی کی بھی اصلاح فرمائی جس کے تحت پانی کو سب کی مشترکہ ملکیت قرار دیا اور ضرورت سے زائد پانی کی فروخت سے بھی منع فرمایا اس کے ساتھ ساتھ شجر کاری اور پرورش حیوانات پر بھی زور دیا اور ان کے تحفظ کو بھی یقینی بنایا۔ جب کہ کاشتکاروں کی خوشحالی کے لیے خصوصی اقدامات کیے جس کے نتیجے میں خوشحالی کا دور دورا ہوا کیونکہ معاشی ترقی کے لیے کسان کا خوشحال ہونا بنیادی شرط ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے سود کو حرام اور بیع کو حلال قرار دیا۔ آپ ﷺ کی ان تمام اصلاحات کے نتیجے میں عرب کا معاشی نظام مضبوط ہو گیا۔

فصل دوم

عہدِ فاروقی میں معاشی ترقی کے لیے اقدامات

فصل دوم:

عہدِ فاروقی میں معاشی ترقی

نبی کریم ﷺ نے حکومت کے استحکام کے لئے جو معاشی نظام عطا کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس حقیقی نظام کو باقاعدہ ملکی سطح پر انتظامی محکمہ جات کی صورت میں قائم کیا۔ جس نظام نے تمام طبقات کو متاثر کیا وہ نظام حضرت عمر فاروق کا ہے۔ آپ نے ملکی ترقی کے لئے مجلس شوریٰ، ٹیکس اور بیت المال کے شعبے قائم کئے۔ دفاع کے لئے فوج اور پولیس کا نظام مرتب کیا۔ عوام کی بھلائی کے لئے عدالت کا نظام، صوبوں کی تقسیم اور ڈاک کا نظام قائم کیا۔ آپ کے دور حکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ مساوی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے معاشی نظام کے اہم پہلو درج ذیل تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ملک کے معاشی نظام کو مضبوط بنیادوں پر چلانے اور معاشی طور پر مضبوط کرنے کے لئے ٹیکس کے نظام کا نفاذ کیا۔ آپ زمینوں کی پیمائش اور غیر مسلم کاشت کاروں پر ان کی برداشت سے زیادہ ٹیکس نہیں لگانا چاہتے تھے۔ عہد فاروقی میں ٹیکس کا نظام انتہائی بہتر ہو گیا تھا۔

ٹیکس کی وصولی:

ٹیکس کی وصولی سے ملک کی آمدن میں اضافہ ہوتا ہے اور ملکی معیشت میں ترقی ہوتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غیر مسلموں کے حقوق کا بھی تحفظ کرتے تھے ان پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالتے تھے۔ ٹیکس کسی بھی ملک کی آمدنی کا اہم ذریعہ ہوتا ہے اس میں ہر مذہب کے لوگ شامل ہوتے ہیں جو بھی ملک میں رہتا ہے وہ ٹیکس ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت اسلم بیان کرتے ہیں:

(اَن عُمَرَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَتَبَ اِلَي اُمَرَاءِ الْاَجْنَادِ:اَنْ لَا يَضْرِبُوا الجِزْيَةَ عَلَيْ النِسَاءِوَلَاْ عَلَيْ الصِبْيَانِ) (۱)

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سپہ سالاروں کو تحریر کیا کہ وہ غیر مسلم بچوں اور خواتین پر ٹیکس لاگو نہ کریں۔

ٹیکس وصول کرنے میں نرمی کرنا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اپنی رعایا سے نرمی برتتے تھے۔ ایک دفعہ شام کے سفر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے عامل ٹیکس وصول کرنے کے لئے غیر مسلموں کو دھوپ میں کھڑا کر دیتے ہیں۔

۱۔ مصنف عبدالرزاق، ابو بکر بن ہمام بن نافع، المکتبۃ الاسلامیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۳ھ، ۶/ ۸۵

اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے عاملوں کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا:

(فدعوهم لاتكلفوهم مالا يطيقون،فاني سمعت رسول الله يقول لا تعذبو الناس فان الذين يعذبون الناس في الدنيا يعذبهم الله يوم القيامة) (۱)

ترجمہ: ان کو چھوڑ دو، ان کو ہرگز تکلیف نہ دو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے، میں نے حضور صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے لوگوں کو عذاب نہ دو، بے شک جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں اللہ انہیں قیامت کے دن عذاب دے گا۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کڑی سزا کو ترک کر دیا گیا۔ اسی طرح ہشام بن حکم نے حمص کے ایک غیر مسلم قبطی کو ٹیکس وصول کرنے کے لئے دھوپ میں کھڑا دیکھا۔ اس پر انہوں نے سرکاری افسر کی ملامت کی اور کہا میں نے رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

(اِنَّ اللّٰهَ يُعذِّبُ الَذِيْنَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الْدُنْيَا) (۲)

ترجمہ: بے شک اللہ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔

کھیتی باڑی کے لیے ترغیب دینا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو کاشت کاری کے لئے ابھارا اور ان کو کاشت کاری کی اہمیت سے اجاگر کیا تاکہ لوگ زراعت کے پیشے سے منسلک ہو جائیں اور کھیتی باڑی کرنے لگیں۔ زراعت ایک ایسا شعبہ ہے کہ جو ملکی معیشت کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے متعلق ارشاد فرمایا: کاشتکار و زراعت پیشہ افراد کو سب سے پہلے رہا کرو اور یہ عام قیدیوں سے صرف کاشت کاروں کی فوری رہائی کا بندوبست اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ ملک کی عوامی فلاح کا دارو مدار اجناس وغلہ کی عام پیداوار پر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ظبیان نامی شخص سے پوچھا کہ تم کو کس قدر وظیفہ ملتا ہے انہوں نے جواب دیا۔ اڑھائی ہزار درہم آپ نے فرمایا:

((يَا اَبَا ظِبْيَانَ اِتخَذَ مِنَ الْحَرْثِ)) (۳)

ترجمہ: اے ابو ظبیان کاشت کاری کو اپنالو۔

کسانوں کو بیت المال سے ادائیگی:

کوئی بھی ملک زراعت میں ترقی کیے بغیر معاشی ترقی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ زراعت کسی بھی ملک کی معیشت

۱۔ کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ص:۱۳

۲۔ مناقب عمر بن خطاب، علامہ ابن جوزی، المکتبۃ الوقفیہ، مصر، ۱۹۹۶ء، ص:۸۷

۳۔ سنن ابو داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، دار الفکر بیروت، ۱۹۹۴ء، حدیث:۳۰۴۵، ۳/ ۲۵۳

کو ترقی کی طرف لے جانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔زراعت سے صنعت و تجارت کو خام مال دستیاب ہوتا ہے۔اس طرح صنعت و تجارت کی ترقی کے لئے بھی زراعت بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

"اگر کسی شہر کے باشندے کثرت کے ساتھ صنعتوں اور ملکی سیاست میں مشغول ہو جائیں اور ان میں سے بہت تھوڑے لوگ مویشی چرانے اور زراعت کے پیشہ سے منسلک ہوں تو دنیا میں ان کی حالت خراب ہو جائے گی"۔[1]

مذکورہ بالا اہمیت زراعت کو مد نظر رکھتے ہوئے اکثر فقہاء نے حضور نبی کریم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور عمل مبارک کے تحت زراعت کے پیشے کو فرض کفایہ کا درجہ دیا ہے۔مثلاً عبد الرحمن الجزیری لکھتے ہیں:

(اَمَّا الزَّرْعُ فِي ذَاتِه سَوَاءٌ كَانَ مُشَارِكَةٌ اَوْلَا فَهُوَ فَرْضُ كِفَايَةٍ لِاِحْتَيَاجِ الْاِنْسَانِ وَالْحَيْوَانِ اِلَيْهِ)[2]

ترجمہ: جہاں تک زراعت کا تعلق ہے خواہ یہ شرکت سے وجود میں آئے یا بغیر شرکت کے اپنی ذات میں فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ انسان اور حیوان سبھی اس کے محتاج ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں عراق، شام اور مصر کی فتوحات کے بعد زرعی اصلاحات کیں:

(اتي عُمَرَ رَضِي الله عَنهُ رَجُلا فقال: يَا اَمِيرُ الْمُؤمِنِيْنَ زَرَعْتُ زَرْعًا فَمُرَّ بِه جَيْشٌ مِّنْ اَهْلِ الشّامِ فَافْسَدُوْهُ. قَالَ: فَعِوَضَةٌ عَشَرَةُ اَلَافٍ)[3]

ترجمہ: ایک کاشتکار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین میں نے کھیتی بوئی تھی۔شام والوں کا ایک لشکر وہاں سے گزرا اور اس نے کھیتی کو پامال کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے دس ہزار درہم بطور معاوضہ دلوائے۔

بیت المال کا قیام:

عہد نبوی اور عہد صدیقی میں مال غنیمت کے حصول کے بعد اسی وقت اسے تقسیم کر دیا جاتا تھا اس لئے بیت المال کی اتنی ضرورت نہ تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے بیت المال کے لیے جو مکان مخصوص

۱۔حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ دہلوی مکتبہ السلفیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص:۲۵

۲۔تاریخ الامم والمملوک، محمد ابن جریر طبری، ۲/ ۴۷۹

۳۔کتاب الاموال، ابوعبید قاسم بن سلام، ص: ۲۸۳

کیا تھا وہ بند رہتا تھا۔ حضرت عمر کے دور میں بحرین سے خطیر رقم ملنے پر بیت المال کے باقاعدہ نظام کا آغاز ۱۵ ہجری میں ہوا حضرت عبد اللہ بن ارقم کو اس کا نگران مقرر کیا گیا تمام صوبہ جات اور اہم مقامات پر مرکزی بیت المال کے ذیلی دفاتر قائم ہوئے۔ بعد ازاں حضرت عمر نے بیت المال کے لیے شاندار اور مضبوط عمارتیں بھی بنوائیں۔[۱] رفاہِ عامہ کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا اقدام بیت المال کے ادارے کا قیام ہے جس سے شیر خوار بچوں سے لے کر بزرگ اور معذور افراد تک کو وظیفہ ملتا تھا۔ اسلامی ریاست میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو بے روزگاری کی وجہ سے افلاس کا شکار ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے ادارے کو اتنا شفاف اور منظم کر دیا تھا کہ ایک پائی تک ادھر ادھر نہ ہوتی اور حق دار کو اس کا حق ہر صورت میں مل جایا کرتا تھا۔ بلاشبہ یہ اقدام رفاہی خدمات میں ایک بہت بڑی اور قابل قدر خدمت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیت المال کی آمدنی زکوٰۃ، عشر، جزیہ، خراج اور مالِ غنیمت پر منحصر ہوتی تھی اور یہ تمام کفالت کے معاشرتی قانون کے تحت مستحق افراد پر خرچ کر دی جاتی تھی۔ پس جب ملک وسیع ہو گیا اور آمدنی بڑھ گئی اور دفاتر بنائے گئے تو تمام مستحق افراد کی رجسٹریشن ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(مَا أَحَدٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا لَهُ فِيْ هٰذَا الْمَال حَقٌ)[۲]

ترجمہ: مسلمانوں میں سے ہر ایک کے لئے اس مال میں حق ہے۔

پھر اس کے بعد انتہائی توجہ کے ساتھ دیوان تشکیل دیا گیا اور بیت المال کو مختلف ڈیپارٹمنٹس (شعبوں) میں تقسیم کیا گیا اور ہر ڈیپارٹمنٹ کے لیے بجٹ خاص کر دیا گیا جس کو مختلف مدات پر خرچ کیا جاتا تھا۔ امام کاسانی نے اپنی کتاب بدائع الصنائع میں جن کو یوں لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جو مال بیت المال میں بطور بجٹ رکھا جاتا تھا، اس کی چار اقسام ہیں۔

۱۔ چراگاہ میں چرنے والے مویشیوں کی زکوٰۃ، عشر، مسلمان تاجروں سے حاصل کردہ ٹیکسز (Taxes)۔

۲۔ مال غنیمت اور زمین کے اندر سے چھپے ہوئے خزانوں میں پانچواں حصہ (جس کو فقراء، مساکین اور یتیم لوگوں پر خرچ کیا جاتا ہے)۔

۳۔ زمین کا خراج، جزیہ اور اس طرح کی دوسری چیزیں جو مذہبی سکالرز پر اور مفادِ عامہ کے لئے خرچ کی جاتی ہیں۔ اس میں جج صاحبان اور فوج کی تنخواہیں، سڑکوں، چھوٹی نہروں، پلوں اور ڈیم کی تعمیر کا خرچ بھی شامل ہے۔

۴۔ وہ مال جو ایسی میت کی وراثت سے لیا جائے جس کا مرنے کے بعد کوئی حقیقی وارث نہ ہو یا اس نے ایک خاوندیا

۱۔ الاحکام السلطانیہ، ابو الحسن الماوردی، ص: ۵۲

۲۔ کتاب الاموال، ابو عبید قاسم، ص: ۵۲۵

بیوی چھوڑی ہو۔ ایسے اموال فقیروں، مریضوں کی ادویات، ان کے علاج اور مرنے والوں کے کفن خریدنے پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ مال لاوارث اور معذور افراد پر اور قاتل کی طرف سے واجب دیت کی ادائیگی پر خرچ کیا جائے اور اس طرح جو کمانے سے عاجز ہو اور اس کے ذمہ اپنے خاندان کا نفقہ بھی ہو تو اس پر بھی یہ اموال خرچ کئے جاتے ہیں۔ یہاں یہ وضاحت ہو گئی کہ معاشرے کے کفالتی منصوبوں کی مالی سپورٹ ان سابقہ قوانین پر ہی انحصار نہیں کرتی بلکہ بیت المال کی بنیادی ذمہ داری معاشرتی کفالت کو یقینی بنانا ہے۔ بیت المال کے دیگر ذرائع آمدنی بھی ہیں کہ جن سے ملازمین کی تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں اور دفاع پر بھی خرچ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عمرانی منصوبہ جات اور وسائل نقل وحرکت پر خرچ ہوتا ہے۔ اس چیز کی تائید سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے بھی ہو جاتی ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں میں سے ایسا کوئی مستحق آدمی نہیں جس کا بیت المال میں حق نہ ہو۔ (۱)

عشور:

مسلمان غیر ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تو ان سے وہاں کے دستور کے مطابق مالِ تجارت پر دس فیصد ٹیکس لیا جاتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمر فاروق کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو حضرت عمر فاروق نے باقاعدہ حکم جاری فرمایا کہ ان ملکوں کے تاجر جب ہمارے ملک میں آئیں تو ان سے بھی اس قدر ٹیکس وصول کیا جائے۔ بعد ازاں ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ لاگو کیا گیا البتہ اس کی شرح میں تفاوت تھا کہ حربیوں سے دس فیصد، ذمیوں سے پانچ فیصد اور مسلمانوں سے اڑھائی فیصد وصول کیا جاتا تھا۔ (۲)

بنجر زمینوں کو کسانوں میں تقسیم کرنا:

زمین کی اصل یہ ہے کہ وہ آباد رہے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو بہت ساری زمینیں بے کار اور بنجر پڑی ہوئی تھیں۔ ان کو آباد کرنے کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غریب کاشتکاروں میں تقسیم کر دیا اور اس پر خصوصی توجہ فرمائی۔ جب غریب کسانوں نے بے آباد زمینوں کو آباد کیا تو ان زمینوں کے اصل مالکان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کے لئے آ گئے تو اس پر آپ نے فرمایا:

> ”تم لوگوں نے اب تک اپنی زمینوں کو غیر آباد چھوڑے رکھا۔ اب ان لوگوں نے جب اس کو آباد کر لیا ہے تو تم ان کو ہٹانا چاہتے ہو۔ مجھے اگر اس امر کا احترام پیش نظر نہ ہوتا کہ تم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاگیریں عنایت کی تھیں تو تم کو کچھ

۱۔ کتاب الاموال، ابو عبید قاسم، ص: ۳۱۰

۲۔ ایضا، ص: ۳۴۵

نہ دلاتا۔ اب میرا فیصلہ یہ ہے کہ اس کی آبادکاری کا معاوضہ اگر تم دے دوگے تو زمین تمہارے حوالے ہو جائے گی اور اگر ایسا نہ کر سکے تو زمین کے غیر آباد کی حالت کی قیمت دے کر وہ لوگ اس کے مالک بن جائیں گے"۔ (۱)

(وَاِنْ شِئْتُمْ رُدُّوْا عَلَيْكُمْ ثَمَنَ اَدِيْمُ الْاَرْضِ هِيَ لَهُم) (۲)

ترجمہ: اگر تم چاہتے ہو کہ وہ تم کو زمین کی قیمت لوٹا دیں تو وہ زمین ان کی ہو گی۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عام حکم دیا کہ جس شخص نے تین برس کسی زمین کو بے آباد رکھا تو جو شخص بھی اس کے بعد اس کو آباد کرے گا اس کی ملکیت تسلیم کر لی جائے گی۔ اس حکم کا خاطر خواہ اثر ہوا اور بکثرت بیکار زمین و مقبوضہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ امام ماوردی احکام السلطانیہ میں لکھتے ہیں کہ قبیلہ مزینہ کے لوگوں کی جاگیریں یونہی پڑی تھیں۔ جس کی شکایت لوگوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کی آپ نے فرمایا:

"جو شخص تین برس تک اپنی زمین یونہی چھوڑے رکھے اور دوسرا کوئی شخص آباد کرلے تو یہ دوسرا ہی اس زمین کا حق دار ہو جائے گا"۔ (۳)

بے کار زمینوں کی آبادکاری:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بے کار زمینوں کی آبادکاری کے لئے اقدامات کیے کافی عرصے سے جو زمینیں بے کار اور بنجر پڑی ہوئی تھیں انھیں آباد کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ اس سلسلے میں آپ کی تحریک بڑے موثر طریقہ سے شروع ہوئی۔ آپ نے اعلان کیا کہ پرانے زمانے سے ایسے ہی پڑی ہوئی بے آباد زمینیں اللہ اور اس کے رسول کی ہیں پھر یہ ان کی جانب سے تمہارے لئے ہیں۔ پس جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اس کی ہو گئی اور صرف احاطہ بندی کرنے والے کا تین سال بعد کوئی حق باقی نہ رہ جائے گا۔ جو تین سال تک کسی قبضہ میں لی گئی زمین کو کاشت نہیں کرے گا، وہ اس سے چھین لی جائے گی۔ جہاں جہاں رعایا گھر بار چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لئے یہ اشتہار دیا کہ وہ واپس آکر انہیں زمینوں کو کاشت کریں۔ آپ نے حکومت کی طرف سے مفتوحہ علاقوں میں نہریں کھدوائیں، بند باندھے اور پانی کو تقسیم کرنے اور نہروں کے نکالنے کے انتظام کے لئے باقاعدہ محکمہ آبپاشی قائم کیا۔ مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ آبپاشی کے اس کام میں لگے رہتے۔ (۴)

۱۔ سیرت النبی، شبلی نعمانی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص: ۲۳۲

۲۔ ایضا

۳۔ الاحکام السلطانیہ، ابوالحسن الماوردی، ص: ۵۲

۴۔ ایضا، ص: ۶۸

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کیے گئے ان اقدامات کی وجہ سے عرصہ دراز سے پڑی بے کار زمینوں کی آباد کاری ہوئی وہیں ان زمینوں سے حاصل ہونے والے فوائد سے لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہوئی اور ملکی معیشت میں اضافہ ہوا نیز وہ لوگ جو محض زمینوں کو اپنے مفاد کی خاطر خالی رکھے ہوئے تھے ان کے چھن جانے کے خوف سے انہوں نے بھی اپنی زمینوں کو آباد کیا۔ اس مقصد کے لیے وہ لوگ جو خود زمین پر کاشتکاری نہیں کر سکتے تھے انہوں نے لوگوں کو اجرت پر زمین میں کاشتکاری کے لیے مقرر کیا جس سے بے روزگار لوگوں کو روزگار میسر آیا اور بے آباد زمینیں بھی آباد ہو گئیں۔ آپ نے حکومتی سطح پر پانی اور نہروں کی کھدائی کا حکم دیا تاکہ لوگ ان سے فائدہ حاصل کریں اور ان تعمیرات سے لوگوں کو اجرت پر روزگار حاصل ہو سکے ان مزدوروں کے تمام اخراجات بیت المال سے ادا کئے گئے عوام پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ڈالا گیا ان اقدامات کے نتیجے میں لوگ اپنی زمینوں کی آباد کاری میں مصروف ہو گئے اور ریاست مدینہ میں رہنے والے لوگوں کی زندگی میں خوشحالی کا دور دورا ہوا۔

عہد فاروقی میں نئے شہروں کا قیام:

آبادی اور رہائش انسانی زندگی کا ایک اہم ترین مسئلہ ہے اور تیزی سے بڑھتی ہوئی انسانی آبادی کے باعث شہر میں آبادی کا تناسب زیادہ ہو جاتا ہے اسی بناء پر بہت سی مشکلات پیدا ہوتی ہیں جن میں سب سے اہم Law and Order کی صورت حال کا خراب ہونا ہے۔ ظاہر ہے ایک زیادہ بڑی آبادی کو منظم رکھنا زیادہ مشکل کام ہے۔ اس کے لیے منظم رکھنے والے اداروں کو بھی اسی تناسب سے بڑا اور بھرپور ہونا چاہیے۔ اسلامی ریاست میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وہ خلیفہ ہیں جنہوں نے ایک مخصوص تعداد میں آبادی کے بڑھنے کے بعد نئے شہر بسانے کی پالیسی پر عمل کیا۔ اس سے پہلے نئے شہروں کا قیام اتفاقاً یا فوجی ضروریات کے تحت عمل میں آتا تھا۔ یہ نبوی تعلیمات کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رفاہِ عامہ کے پیش نظر کئی نئے شہر بسائے تاکہ بڑھتی ہوئی آبادی کے باعث انتظامی صورت حال خراب نہ ہو اور لوگوں کی فلاح و بہبود پر اثر انداز نہ ہو۔ عہد فاروقی میں نئے قائم ہونے والے شہر کوفہ، بصرہ موصل اور فسطاط ہیں۔ ان کے قیام کی وجوہات دو طرح کی ہے۔ عرب مجاہدین کو مختلف علاقوں کی آب وہوا موافق نہیں آتی تھی، اس بناء پر ان لوگوں کی صحت اور چہرے کے رنگ میں نمایاں فرق محسوس ہوتا تھا۔ دوسری وجہ فوجی مہمات کے پیش نظر ایسی جگہ کی ضرورت تھی جہاں فوجی چھاؤنیاں قائم ہو سکیں تاکہ محاذ جنگ پر آنا جانا آسان ہو جائے اور دشمن کے لیے یہ چھاؤنیاں دفاع کا کام دے سکیں۔

عہد فاروقی میں نئے شہروں کی آباد کاری کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس سے یہ امر واضح ہو جائے گا کہ آپ کام باقاعدہ منظم طریقے سے کرتے تھے۔ جس طرح دور حاضر میں یورپ کے اندر جب بھی کوئی شہر آباد ہوتا ہے تو مکمل سروے کر کے ایک ماڈل بنایا جاتا ہے جس میں ساری سہولیات اور آسائشوں کی وضاحت کی جاتی ہے پھر

اس ماڈل کے تحت اس شہر کی تکمیل کی جاتی ہے۔اس سارے فارمولے اور کام کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آباد کیے ہوئے شہروں سے ملتی ہے۔جب کوفہ کا شہر آباد کیا گیا تو اس میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ اس میں سڑکیں اور مکانات کے درمیان پختہ گلیاں ہوں۔

اس سے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ تحریر لکھی:

> ''جب مسلمانوں کا کوفہ کی تعمیر پر اتفاق ہو گیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ابو الہیاج کو بلا بھیجا اور انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ان تحریری ہدایات سے مطلع کیا کہ سڑکیں چالیس گز کی ہوں اور اس سے کم درجے کی تیس گز کی ہوں اور کم از کم بیس گز چوڑی ہوں۔گلیاں سات گز کی ہوں، اس سے کم تر نہ ہوں"۔ (۱)

عہد فاروقی میں دیکھا جائے تو ان اقدامات کے بہت سے فوائد اور ثمرات حاصل ہوئے بڑھتی ہوئی آبادی سے جہاں لوگوں کو خوراک، رہائش اور انتظامی صورت حال کے بگڑنے کا اندیشہ تھا آپ کے اٹھائے ان اقدامات سے ان خطرات میں خاطر خواہ کمی ہوئی۔ نیز آنے والے وقتوں کے لیے آپ کے اقدامات مشعل راہ ثابت ہوئے انہی اقدامات کی روشنی میں آج بھی لوگوں کی آبادکاری کے لئے نئے ماڈلز اور ہاؤسنگ سوسائٹیز کے منصوبے تیار کیے جاتے ہیں۔دور حاضر میں بھی ملک کو مختلف صوبوں کو مختلف علاقوں، کالونیوں اور محلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ ان علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے لیے فلاحی کاموں میں آسانی پیدا ہو اور اس مقصد کے لئے مختلف اداروں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے جن کے تحت مختلف لوگوں کو مختلف فلاحی کاموں پر مامور کیا جاتا ہے تاکہ محض وفاقی حکومت پر بوجھ نہ پڑے۔بلکہ صوبائی حکومتیں اپنے اپنے صوبوں میں لوگوں کی فلاح کا کام سرانجام دے سکیں گی جس سے اس علاقے یا صوبے میں رہنے والے لوگوں کو روزگار میسر آسکے گا۔

۱۔تاریخ الامم والملوک، محمد ابن جریر طبری، ۴۷۹/۲

خلاصہ بحث:

رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی جاری کردہ تعلیمات و اصلاحات کو حضرت عمر فاروق رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے اپنے دور خلافت میں عملی طور پر نافذ کیا۔ معاشی نظام کو باقاعدہ ملکی سطح پر انتظامی محکمہ جات کی صورت میں قائم کیا۔ ملکی ترقی کے لیے ٹیکس، مجلس شوری اور اور بیت المال کے شعبے قائم کیے کیونکہ کسی ملک کی ترقی میں ٹیکس کے حصول کا نظام اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسی طرح آپ نے کاشتکاری کے لیے لوگوں کو ابھارا اور کسانوں میں بے آباد زمینوں کو تقسیم کیا اور اس کے علاوہ بیت المال سے بھی کسانوں کو ادائیگیاں کیں۔ رفاہِ عامہ کے لیے حضرت عمر فاروق رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کا سب سے بڑا اقدام بیت المال کے ادارے کا قیام ہے جس سے شیر خوار بچوں سے لے کر بزرگ اور معذور افراد تک کو وظیفہ ملتا تھا۔ اسلامی ریاست میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو بے روزگاری کی وجہ سے افلاس کا شکار ہو۔ خصوصا آپ نے اپنے دور میں عراق، شام کی فتوحات کے بعد زرعی اصلاحات کیں۔ ان اصلاحات کے تحت آپ نے بنجر زمینوں کو لوگوں میں تقسیم کیا اور یہ حکم جاری فرمایا کہ جس نے تین سال تک زمین کو بے آباد رکھا اور پھر کسی اور نے اس کی زمین کو آباد کیا تو وہ زمین آباد کرنے والے کی ملکیت ہو گی جس کا فائدہ یہ ہوا کہ بہت سی بے آباد زمینیں آباد ہو گئیں۔

عہد فاروقی میں معاشی ترقی کے لیے نئے شہروں کا قیام کیا گیا کیونکہ آبادی کے بڑھنے سے لوگوں کے معاشی مسائل میں اضافہ ہو گیا تھا لہذا آپ نے نئے شہر بسانے کی پالیسی پر عمل کیا جس کے نتیجے میں روزگار کے نئے مواقع میسر آئے اور لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہو گئی۔ گلیوں اور سڑکوں کی تعمیر کے لیے آپ نے تحریری احکامات جاری فرمائے تھے۔

فصل سوم

عہدِ عثمانی میں معاشی ترقی کے لیے اقدامات

فصل سوم:

عہدِ عثمانی میں معاشی ترقی کا جائزہ

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت عراق ،خوزستان،شام، مصر ،جسال،فارس،اور آذر بائیجان پر عربی تسلط قائم ہو چکا تھا۔ان آٹھوں صوبوں یا ان کی سرحدوں پر مسلم فوجیں مقامی بغاوتوں کی روک تھام اور نئے علاقوں کی تسخیر کے لیے مامور تھیں۔ تاہم عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلافت کی بھاگ دوڑ سنبھالتے ہی پورے عزم کے ساتھ اس جنگ کو سنبھالنا پڑا جو اسلامی ریاست پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور سے مسلط کر دی گئی تھی۔ ہر طرف بڑے پیمانے پر عسکری سر گرمیاں شروع ہو گئیں۔ تاہم بیشتر علاقوں، شہروں، قصبوں اور قلعوں کے رئیسوں نے عرب تلوار سے ڈر کر لڑے بغیر یا معمولی مزاحمت کے بعد سالانہ خراج کے بالمقابل حملہ آوروں سے صلح کر لی۔ جو شہر اور گاؤں، قصبے بزورِ شمشیر فتح ہوئے ان پر جزیہ اور لگان لگا دیا گیا۔

خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ فلاحی ریاست ترقی وخوشحالی کی ضامن ہے جو معاشرہ معاشی طور پر مضبوط ہو،صنعت وحرفت اور تجارت کے مواقع جہاں زیادہ ہوں وہاں چوری،ڈاکہ زنی اور قتل وغارت کا وجود نہیں ملتا فلاحی ریاست کے قیام کے لیے حکمرانوں کو اپنے مال ودولت کی ریل پیل نہیں بلکہ عوام کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لیے اقدامات کرنے ہوتے ہیں۔

رفاہ عامہ اور ترقیاتی کام:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ہی رفاعہ عامہ کے لیے بہت کچھ کیا اور اسی مقصد کے تحت بہت سے ادارے قائم کیے تھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب اداروں کو اسی طرح قائم رکھا بلکہ ان میں عوام الناس کی بہتری کے لیے کچھ ترامیم بھی کیں اور زمانہ کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ان میں کچھ ردوبدل بھی کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہی خراج، فئے، غنیمت کا مال مملکت کے مختلف گوشوں سے سمٹ کر بیت المال میں آیا آپ نے اسے رفاہ عامہ میں خرچ کر کے خوشحالی میں مزید اضافہ کیا۔ [۱]

کنوؤں کی کھدائی کا اہتمام:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی معاشی خوشحالی اور ترقی کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں کنوئیں اور پانی کے چشمے بنوائے ملک کے بعض حصوں میں لوگوں کو پینے اور کھیتی باڑی کے لیے پانی کی سخت تکلیف تھی چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ نے ایک کنواں بئر بیس خریدا اور اس کو اس علاقے کے فقراء، مساکین، یتیم اور ذوالقربی کے لیے

ا۔ سیرۃ الصحابۃ، معین الدین ندوی، مکتبہ دار المصنفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، انڈیا، ۲۰۱۵ء، ص:۱۴۹۔۱۵۰

وقف کر دیا نجد کے راستے میں مدینہ طیبہ سے تقریباً ۲۴ میل دور آپ نے عام لوگوں کی سہولت کے لیے ایک کنواں کھدوایا۔ (۱)

آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی فلاح کے لیے کنوئیں اور پانی کے چشمے تعمیر فرمائے اس سب کا نتیجہ یہ تھا کہ ریاست مدینہ میں خوشحالی عروج پر تھی اس کہ ایک وجہ یہ تھی کہ لوگوں کو جو پانی کی قلت تھی وہ دور ہو گئی اور لوگوں نے اس پانی کو کھیتی باڑی کے لیے استعمال کیا جس سے لوگوں کو معاشی خوشحالی میسر آئی اور ساتھ ہی ساتھ لوگوں کی بنجر زمینیں بھی آباد ہو گئیں آج اس کی جدید صورتیں ٹیوب ویل اور ڈیمز کی صورت میں موجود ہیں جن سے لوگوں کی ضروریات بھی پوری ہوتی ہیں اور ان کی تعمیر سے لوگوں کو روزگار بھی میسر آتا ہے۔

سرائے اور بند بنانے کا اہتمام:

سلطنت اسلامیہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی تھی اور مختلف جگہ کے لوگ اپنی شکایات کے لیے صورت حال سے آگاہ ہونے کے لیے آئے دن مدینہ طیبہ آتے اس زمانے میں ذرائع آمدورفت اتنے تیز نہیں تھے جتنے آج کل ہیں ان کی سہولت اور آسائش کے لیے امیر المومنین نے مدینہ طیبہ کی طرف آنے کے لیے مختلف قسم کی سرائیں اور چوکیاں بنوائیں، جہاں لوگ رات کو آرام کرتے انہیں یہاں کھانے پینے اور آرام وآسائش کی ہر شے میسر آتی، جہاں مدینے طیبہ سے چوبیس میل دور نجد کے راستے میں آپ رضی اللہ عنہ نے ایک شاندار اور آرام دہ سرائے تعمیر کروائی ساتھ ہی ایک چھوٹا سا بازار بھی تھا جہاں ضرورت زندگی کی ہر شے میسر آتی بصرہ میں سیدنا عبداللہ عامر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بصرہ میں ایک مہمان خانہ بنایا جائے جس میں مدینہ کے مسافر اور دوسرے لوگ ٹھہر سکیں۔ سرائے اور بند تعمیر ہونے کی وجہ سے لوگوں کے روزگار میں اضافہ ہوا، لوگوں نے مختلف کاروبار شروع کر دیے جس کی وجہ سے معاشی خوشحالی اور ترقی ہوئی۔ (۲)

ان سرائے اور بند کی تعمیر سے جہاں لوگوں کو روزگار مہیا ہوا وہیں لوگوں کو دوران سفر سہولیات اور آسائشیں میسر آئیں کیونکہ لوگ یہاں دور دراز سے تجارت کی غرض سے آتے تھے اور مشکلات کا سامنا کرتے تھے ان سہولیات کے پیش نظر لوگوں کو سفری مشکلات سے نجات ملی اور لوگ زیادہ سے زیادہ تجارت کی غرض سے شہر میں داخل ہوتے جو کہ نہ صرف لوگوں کی معاشی خوشحالی کا باعث بنا بلکہ ملکی معیشت میں اضافے کا بھی سبب بنا۔ ان علاقوں کے ارد گرد رہنے والے لوگوں نے تاجروں کی ضروریات کے تحت ان جگہوں کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے بازار کا قیام عمل میں لایا جس سے غریب لوگوں کو روزگار میسر آیا آج بھی شہروں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کاروبار

۱۔ سیرۃ الصحابہ، معین الدین ندوی، ص:۱۴۹۔۱۵۰

۲۔ ایضاً، ص:۱۵۱

دکانیں اور مارکیٹیں مسافروں کی سہولت کے لیے تعمیر کیے جاتے ہیں تا کہ مسافروں کو سہولتیں میسر آئیں اور لوگوں کو روزگار بھی میسر آسکے۔ جو کہ تجارتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ ملکی معاشی استحکام کا بھی باعث ہے۔

روزینوں میں اضافے کا بندوبست:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافت میں پبلک کے جو روزینے مقرر فرمائے تھے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان روزینوں میں فی کس سو درہم کا اضافہ کیا ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں عوام الناس کے لیے جو مال فئے سے امداد کا مستحق ہوتا ایک ایک درہم اور امہات المومنین کے دو دو درہم روزانہ بیت المال سے جاری فرمایا ہوا تھا آپ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اگر کھانا پکوا کر ان لوگوں کو کھلایا کریں تو بہتر ہو۔ فرمایا آدمی اپنے گھر میں دلجمعی کے ساتھ پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے لہذا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سب روزینے نہ صرف اسی طرح برقرار رکھے بلکہ رمضان المبارک میں مسجد کے عبادت گزاروں، مسافروں اور گداگروں کو کھانا کھلانا اس پر مستزاد فرمایا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں عبادت گزاروں، اعتکاف کرنے والوں مسافروں مساکین وغیرہ کے لیے عام دستر خوان بھی بچھا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے سلسلے میں تعمیرات کی طرف توجہ دی۔ اس سلسلے میں سڑک، پُل، مساجد اور مسافر خانے تعمیر کروائے۔ راستوں پر سرائیں اور چوکیاں بنائی گئیں۔ مدینہ طیبہ کو سیلاب سے بچانے کے لیے بند بنایا گیا اس سے مدینہ کی آبادی محفوظ ہو گئی۔ سڑکوں اور پلوں کی تعمیر میں لوگوں کو روزگار کے مواقع میسر آئے اور لوگ روزگار میں لگ گئے جس کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بہتر ہوئی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کی تنخواہ مقرر فرمائی تھی اور پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ہر سپاہی کے وظیفے میں ۱۰۰ درہم کا اضافہ فرمادیا بلکہ ان کی تحسین اور حوصلہ افزائی کے لیے مختلف مواقع پر انہیں گراں قدر انعامات سے نوازا۔[1]

سیدنا عثمان نے جو معاشی ترقی کے لیے اقدامات فرمائے ان میں پبلک روزینوں کے قیام، مسافروں کی امداد اور غریبوں کو کھانا کھلانا وغیرہ شامل ہے ان اقدامات سے جہاں عام لوگوں کے لیے سہولیات پیدا ہوئیں وہاں دیگر افراد کے لیے روزگار کے مواقع بھی میسر آئے۔ آج بھی انہی اقدمات کے تحت مسافروں کے لیے پناہ گاہوں رمضان میں لوگوں کے لیے مفت دستر خوان، اور حکومتی سطح پر مستحق افراد کے لیے ماہانہ وظیفوں کا اجراء کیا گیا اسی طرح مستحق افراد کے لیے باعزت روزگار کی فراہمی کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ اس طرح سڑک، پل اور مساجد اور دیگر کاروباری عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں جس سے روزگار کے ساتھ لوگوں کو بنیادی سہولیات بھی میسر آتی ہیں۔ اس

ا۔ البدایہ و النہایہ، عماد الدین ابن کثیر، مکتبۃ المعارف، بیروت، ۱۹۹۰ء، ۲/۱۴۷

طرح آج بھی انہی اقدامات کے پیش نظر فوجیوں کے لیے مراعات اور تنخواہوں کو مخصوص کیا جاتا ہے تاکہ فوجیوں کے معاشی حالات بہتر ہوں اور وہ اپنے فرائض کو بہتر طور پر انجام دے سکیں۔

محکمہ افتاء و قضاء کی فعالیت:

افتاء و قضاء کے دونوں محکمے شروع سے چلے آرہے تھے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان دونوں محکموں کو کافی ترقی دی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں ان محکموں کو مزید ترقی دی چنانچہ آپ کے عہد خلافت کے چیف جسٹس سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی انہی ملکی اصطلاحات کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے زمانہ میں اسلامی مملکت ایک فلاحی مملکت تھی جس میں تنگ دستی اور افلاس بالکل ختم تھا مملکت کا ہر فرد خوشحال زندگی بسر کرتا تھا۔ محکمہ افتاء و قضاء کے قیام کی وجہ سے کئی سارے لوگوں کو روزگار میسر ہوا جس کی وجہ سے ان کی معاشی حالت پہلے سے بہتر ہوئی۔[۱]

قرآنی تعلیم کا انتظام:

قرآن حکیم کی تعلیم اور تدریس کی طرف آپ نے خصوصی توجہ دی اور تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ اس تعلیم کو عام کرنے کے لیے با تنخواہ معلم اور قاری مقرر فرمائے۔ تنخواہ اتنی تھی جس سے ان کی ضروریات زندگی آسانی کے ساتھ پوری ہو جاتی تھیں اس کے علاوہ مختلف حضرات کو سلطنت کے مختلف گوشوں میں لوگوں کو قرآن حکیم کی تعلیم کے لیے بھیجا۔[۲]

فوجی مراکز کا قیام:

بری فوج کا انتظام سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے بڑا مستحکم تھا مفتوحہ علاقوں کو زیر اثر رکھنے، انہیں بغاوت سے روکنے اور محاذوں پر پہنچانے کے لیے آپ نے جگہ جگہ چھاؤنیاں قائم کی ہوئی تھیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان سب فوجی مراکز کو قائم رکھا لیکن ان کے علاوہ طرابلس، قبرص، طبرستان، آرمینیہ اور دوسرے کئی ایک شہروں میں جو آپ کے عہد خلافت میں زیر نگیں ہوئے فوجی مراکز قائم کیے اور فوجی چھاؤنیاں قائم کیں تاکہ کوئی شخص کسی کے اکسانے پر بغاوت کا علم بلند نہ کر سکے۔ فوجی چھاؤنیوں کے قیام کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوئی اور لوگوں نے اپنے مختلف کاروبار شروع کر دیے جس سے لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہونے لگی۔[۳]

۱۔ سیرت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حکیم محمود ظفر، مکتبہ ادارہ معارف اسلامیہ، کراچی، ۲۰۱۵ء، ص:۷۱۸

۲۔ ایضا

۳۔ سیرت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حکیم محمود ظفر، ص:۷۱۹

فوجی چراگاہوں پر توجہ:

موجودہ زمانے کے اسلحہ میں جس طرح فوجی گاڑیاں نہایت ضروری ہیں لہذا گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش کے لیے چراگاہوں کی اشد ضرورت تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام مملکت اسلامیہ میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش کے لیے نہایت وسیع چراگاہیں بنوائیں چراگاہ کی سرسبزی وشادابی کے لیے اس کے قریب چشمے اور تالاب تیار کروائے۔ فوجی چراگاؤں کے قیام کی بدولت لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہوئی۔ اور گھوڑوں اور اونٹوں کی دیکھ بھال کر کے اور اپنا روزگار کمانے لگے۔[1]

سیدنا فاروق اعظم نے اپنے دور میں بری فوج کا قیام عمل میں لایا۔ سیدنا عثمان نے ان کی بہتری پر خصوصی توجہ دی اور فوجی چھاؤنیوں کا قیام عمل میں لایا ان چھاؤنیوں کے قیام سے جہاں مزدوروں کو روزگار کے مواقع حاصل ہوئے وہیں فوجیوں کو بھی سہولیات میسر آئیں۔ انہی اقدامات کے تحت آج بھی جدید دور کے تقاضوں کے مطابق فوجی چھاؤنیاں، جدید جنگی آلات، اور سازو سامان کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس طرح فوجی گھوڑوں کی پرورش، ان کی الگ چراگاہوں کا قیام بھی عمل میں لایا جاتا ہے جو صرف فوجی گھوڑوں کے لیے مخصوص رکھی جاتی ہیں ان چراگاہوں میں کام کرنے والوں کے لیے اجرت مقرر کی جاتی ہے تاکہ لوگ روزگار کما سکیں اور ان جانوروں کو جنگی حالات کے لیے تیار رکھیں۔

بحری بیڑے کی بہتری:

بری فوج کا انتظام سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں بہت مستحکم تھا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ترتیب سے بری فوج کو ترقی دی جس ترتیب کے ساتھ خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مرتب کیا تھا لیکن آپ نے اپنے ایام میں بحری فوج بھی مرتب کی جو کہ آپ کا ایک خاص کارنامہ ہے۔ بحری بیڑے کی تعمیر ایک معاشی ترقی کا مظہر تھا جس کی وجہ سے روزگار بڑھا اور لوگوں کی آمدن کا ذریعہ بنا اور لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہوئی۔[2]

معاشی معاملات میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نئی اصلاحات:

ا۔ زکوٰۃ کی مدات پر نظر ثانی:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آمدنی میں اضافے کے لئے گھوڑے پر زکوٰۃ لگائی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں لگائی تھی۔ عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں بھی گھوڑے پر زکوٰۃ معاف تھی۔ خواہ جہاد کے لیے

ا۔ سیرت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حکیم محمود ظفر، ص:۷۱

۲۔ ایضا، ص:۷۱

رکھا جاتا یا سواری کے لیے۔ فقیہ حجاز ابن شہاب زُہری (متوفی ۱۲۴ھ) کی رائے کے مطابق حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے گھوڑے پر زکوۃ لگا دی تھی۔ بحرین، قطر اور عمان کے تاجر پیشہ فارسیوں سے رسول اللہ ؐ نے جزیہ وصول کیا تھا۔ ۶۷ھ میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حکم سے تیونس، الجزائر اور مراکش پر چڑھائی کی گئی اور جب وہاں کے بربری قبائل نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ انہیں اہلِ کتاب کا درجہ دینے کے لیے تیار ہو گئے اور ان پر جزیہ عائد کر دیا۔ [۱]

۲۔ زمینوں کی مزید آبادکاری کا اہتمام:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مفتوحہ ممالک کی خالی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کرنی شروع کر دیں جس کی وجہ یہ تھی کہ ایک عرصہ سے وہ بے کار اور بے مصرف پڑی تھیں اور ان پر زراعت میں کمی کی وجہ سے غلہ کی پیداروار میں کمی ہو رہی تھی۔ مسلمانوں نے وہ زمینیں لے کر ان پر کاشت شروع کر دی اس طرح وہ بھی زمینداری میں رومیوں اور ایرانیوں کے ہم پلہ ہو گئے۔ حکومت مسلمان زمینداروں اور کاشت کاروں سے دسواں حصہ بطور محصول وصول کرتی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتوحات اور غزوات سے حاصل ہونے والے مال کے علاوہ مملکت کی سالانہ آمدنی ۵ کروڑ درہم تک پہنچ گئی تھی۔ [۲]

عہد عثمانی میں معیشت پر ترقی کے اثرات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خراج کی کثرت ہوئی اور چار جانب سے مال آنے لگا آپ نے اس کے لیے خزانے اور مال گودام قائم کیے۔ اجتماعی اور اقتصادی زندگی پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ اسی طرح مدینہ کے عوالی میں رہنے والے بچوں کے وظیفوں اور کپڑوں میں اضافہ فرمایا۔ [۳] آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا: راہ جہاد میں جو بھی تعاون ہو وہ جائز ہے اس کے بعد ہی سے عطیہ کا نام "جائزہ" پڑ گیا۔ [۴]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوجیوں کے عطیات کو ان کے ورثاء، بچوں اور بیویوں میں تقسیم کیا۔ چنانچہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے جب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عطیہ میرے حوالے کر دیں تو آپ نے انہیں پندرہ ہزار درہم عطا کیے۔ خلیفہ راشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی فلاحی ریاست میں زراعت اور صنعت و تجارت کو کافی ترقی ملی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے دور میں فتوحات مسلمانوں کو عطا

۱۔سیرۃ الصحابہ، معین الدین ندوی، ص:۲۳۰:۷

۲۔عبد الملک بن مروان، عمر ابو النصر، مکتبہ دار العمر، بیروت ۱۹۹۰ء، ص:۱۹۵

۳۔الطبقات الکبری، ابن سعد، ص:۲۹۸

۴۔ سیرت عثمان، حکیم محمود ظفر، ص:۲۶

کیں اس سے مسلمانوں کو بالعموم اور اہل مدینہ کو بالخصوص نعمت وآسائش حاصل ہوئیں اس مال داری کے ساتھ انواع واقسام کی تہذیب وثقافت سے واسطہ پڑا جن سے بڑی فتوحات سے قبل جزیرہ العرب کے لوگ واقف نہ تھے دیگر اقوام کے پاس جو تمدن وثقافت تھی۔اس سے مسلمان واقف تھے نیز ان کی بعض چیزوں کو اپنایا اور خلافت عثمانیہ میں اس میں وسعت ہوئی چنانچہ بعض صحابہ نے بڑے بڑے مکانات تعمیر کئے اس طرح مفتوحہ علاقوں سے جو غلام اور لونڈی لائے گئے انہوں نے اجتماعی اور اقتصادی زندگی کی ترقی وتطویر میں اپنارول ادا کیا خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ فلاحی ریاست ترقی وخوشحالی کی ضامن ہے جو معاشرہ معاشی طور پر مضبوط ہو، صنعت وحرفت اور تجارت کے مواقع جہاں زیادہ ہوں وہاں چوری، ڈاکہ زنی اور قتل وغارت کا وجود نہیں ملتا فلاحی ریاست کے قیام کے لیے حکمرانوں کو اپنے مال ودولت کی ریل پیل نہیں بلکہ عوام کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لیے اقدامات کرنے ہوتے ہیں اور اس کے لیے امت مسلمہ کے حکمرانوں کے سامنے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اقدامات موجود ہیں جن کی پیروی کرنی چاہیئے آج زوال کا اہم سبب معاشی بدحالی ہے اور اپنے اسلاف کی تعلیمات سے روگردانی ہے۔

خلاصہ بحث:

اس فصل میں عہد عثمانی کے معاشی ترقی کے اقدامات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ خلافت فاروقی کے بعد خلافت عثمانی کا آغاز ہوا اور سیدنا عثمان نے اپنی خلافت میں پہلے سے قائم شدہ اداروں کو ان کی حالت پر قائم رکھا لیکن وقت کے تقاضوں کے مطابق ان میں اصلاحات کیں آپ نے لوگوں کی معاشی ترقی و خوشحالی کی خاطر کنوئیں اور نہریں کھدوائیں اسی طرح ذرائع آمدورفت میں بہتری کے لیے مختلف سرائے اور چوکیاں بنوائیں جہاں لوگ آرام کرتے تھے اور کاروبار کرتے تھے۔ افتاء و قضاء کے جو محکمے پہلے سے قائم تھے آپ نے ان میں بھی نئی اصلاحات قائم کیں یہاں تک کہ آپ کے زمانے میں افلاس و غربت کا مکمل خاتمہ ہو گیا اور ہر فرد خوشحال زندگی بسر کرنے لگا۔ تعلیم و تدریس کی خاطر آپ نے معلم و قاری حضرات کے لیے معقول تنخواہیں مقرر فرمائیں تاکہ ان کی ضروریات زندگی پوری ہو سکیں۔ اسی طرح مختلف فوجی چھاؤنیاں اور بحری بیڑے کا قیام معاشی ترقی کا مظہر تھا۔

معاشی معاملات میں حضرت عثمان نے جو اصلاحات کیں ان میں گھوڑوں پر زکوۃ نفاذ، بے آباد زمینوں کی آبادکاری اور مسلمان زمینداروں سے دسواں حصہ بطور محصول وصول کرنا تھا۔ عہد عثمانی میں معاشی ترقی کے لیے جو اقدامات کیے گئے ان کے اثرات اس قدر تھے کہ غربت وافلاس کا مکمل طور پر خاتمہ ہو چکا تھا اور ہر فرد خوشحال زندگی بسر کر رہا تھا۔

باب سوم

ماہرین معاشیات کی آراء اور معاشی ترقی کا تصور

فصل اول: معاشی ترقی غیر مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کی روشنی میں

فصل دوم: معاشی ترقی مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کی روشنی میں

فصل سوم: مسلم و غیر مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کا تقابلی جائزہ

فصل اول

معاشی ترقی غیر مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کی روشنی میں

فصل اول:

ا۔ایڈم سمتھ کے معاشی نظریات

ایڈم سمتھ ایک برطانوی ماہر معاشیات ہے۔اور ان کی پیدائش ۱۷۲۳ء سکاٹ لینڈ میں ہوئی اور تعلیم آکسفورڈ یونیورسٹی سے حاصل کی۔اور وفات ۱۷۹۰ء میں ہوئی۔

ایڈم سمتھ نے اپنے معاشی نظریات اپنی مشہور کتاب "دولت اقوام" میں پیش کیے ہیں۔ذیل میں ہم اس کے چند معاشی افکار کا جائزہ لیتے ہیں۔ایڈم سمتھ معاشیات کو دولت کا علم قرار دیتا ہے۔یہی وجہ ہے اپنی کتاب چار حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے اس نے یہ عنوانات قائم کیے ہیں۔ پیدائش دولت، صرف دولت ، تقسیم دولت اور تبادلہ دولت ۔ وہ معاشیات کو دولت کا علم کہتے ہوئے اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان کی ساری جدوجہد اور سرگرمیاں زیادہ تر اس بنا پر وجود میں آتی ہیں کہ انسان مال بنانا چاہتا ہے اور یہی خواہش اس کی روزمرہ زندگی میں غالب آتی ہے۔(1)

ا۔معاشی ترقی میں سود کا کردار:

ایڈم سمتھ کے نزدیک معاشی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ پیدائش دولت میں اضافہ ہو اور پیدائش دولت کے لئے سرمایہ کا ہونا ضروری ہے۔ایڈم سمتھ کہتا ہے کہ سرمایہ زیادہ مقدار میں ہو اور اس پر سود بھی ادا کیا جائے کیونکہ سود کی وجہ سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے تو پھر لوگ خوشی سے زیادہ مقدار میں سرمایہ لگانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔انسانی معیشت کا سارا کاروبار سرمائے کے جمع ہونے پر منحصر ہے،اور سرمائے کا جمع ہونا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ لوگ اپنی ضروریات اور خواہشات پر پابندی عائد کریں اور اپنی ساری کی ساری آمدنیوں کو اپنی ذات پر خرچ نہ کر ڈالیں بلکہ کچھ نہ کچھ بچا کر بھی رکھا کریں۔یہی ایک صورت ہے سرمایہ اکٹھا ہونے کی۔معاشی کاروبار کی طرف سرمائے کے بہاؤ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ لوگوں کے لیے اپنی جمع شدہ دولت کو سود پر چلانے کا دروازہ کھلا رہے۔اس طرح سود ہی کا لالچ ان کو اس بات پر بھی آمادہ کرتا رہتا ہے کہ اپنی پس انداز کی ہوئی رقموں کو بیکار نہ ڈال رکھیں بلکہ کاروباری لوگوں کے حوالہ کر دیں اور ایک مقرر شرح کے مطابق سود وصول کرتے رہیں۔اس دروازے کو بند کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نہ صرف روپیہ جمع کرنے کا ایک اہم ترین محرک غائب ہو جائے بلکہ جو تھوڑا بہت سرمایہ جمع ہو وہ بھی کاروبار میں لگنے کے لیے حاصل نہ ہو سکے۔ سود صرف یہی نہیں کرتا کہ سرمایہ جمع کراتا اور اسے کاروبار کی طرف کھینچ کر لاتا ہے بلکہ وہی اس کے غیر مفید استعمال کو روکتا بھی ہے۔اور شرح سود وہ چیز ہے جو بہترین

---

1. Business Economics, Adam Smith,(D.k Press ,New York ,2011),P:3

طریقہ سے آپ ہی آپ اس امر کا انتظام کرتی رہتی ہے کہ سرمایہ کاروبار کی مختلف ممکن تجویزوں میں سے ان تجویزوں کی طرف جائے جو ان میں سب سے زیادہ بار آور ہوں۔ اگر سود کا خاتمہ ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اول تو لوگ بڑی بے پروائی سے سرمایہ استعمال کرنے لگیں گے اور پھر بلا لحاظِ نفع و نقصان ہر طرح کے الٹے سیدھے کاموں میں اسے لگانا شروع کر دیں گے۔ (1)

۲۔ اشیاء کی پیدائش میں تقسیم کار کا رجحان:

ایڈم سمتھ کے نزدیک معاشی ترقی کا پہلا اہم ذریعہ یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ پیدائش اشیاء میں لوگ تخصیص کار اور تقسیم کار کا رجحان دکھاتے ہیں۔ سمتھ محنت کی تقسیم کے فوائد سوئی کی فیکٹری کی مثال دے کر سمجھاتا ہے کہ ایک اکیلا سوئی ساز ایک دن میں کچھ ہی سوئیاں بنا سکتا ہے لیکن اگر سوئی کی پیداوار کو حصوں میں تقسیم کیا جائے اور اس تقسیم پیداوار میں ہر ایک ماہر مزدور سوئیاں بنانے کے عمل میں اپنے مخصوص حصے کا کام کرے تو یومیہ ہزاروں سوئیاں بنائی جا سکتی ہیں۔ مزدوروں کے درمیان محنت کی تقسیم سے ہی شریک کار ایک دوسرے کے ساتھ آزاد تجارت کر سکتے ہیں اور اپنے ماہرانہ کام میں مہارت حاصل کر سکتے ہیں۔ مجموعی پیداوار بڑھانے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ سمتھ آخر کار اسی آزاد تجارت اور مقابلہ کی وکالت کرتا ہے۔

ایڈم سمتھ کی اس رائے کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ ایک بہترین رائے ہے کہ اگر تخصیص کار اور تقسیم کار کا رجحان پیدا ہو گا تو اس سے اشیاء کی پیداوار میں اضافہ ہو گا ہر شخص جب اپنی مہارت کے مطابق کام کو تقسیم کرے گا تو ایک فرد کی نسبت وہ زیادہ اشیاء کی پیداوار عمل میں لا سکتے ہیں۔ جس سے مجموعی پیداوار بہت حد تک بڑھ جائے گی اس کے لیے ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ ماہر مزدوروں کو ایک عرصہ دراز کے لئے ان کے کام پر مقرر رکھا جائے جس سے مزدور کو اپنی صلاحیت دکھانے کا موقع ملے گا اور اس کی محنت سے مزدور کے ساتھ صنعت و مالک سب کو فائدہ ہو گا۔

۳۔ منڈیوں کی آزادی:

ایڈم سمتھ کے نزدیک معاشی ترقی کا دوسرا اہم ذریعہ یہ ہے کہ منڈیوں کو آزاد رکھا جائے تاکہ پیداوار میں اضافہ ہو۔ سمتھ منڈیوں کی آزادی کا قائل ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک ایسا نظام معاشیات میں جہاں زر استعمال ہوتا ہو اشیاء کی بازاری قیمت ہمیشہ ان اشیاء کی حقیقی قیمت کے برابر نہیں ہوتی کیونکہ بعض اوقات کسی چیز کی "طلب موثر" اس کی رسد سے بڑھ جاتی ہے۔ اس طرح طلب کے رسد سے زیادہ ہونے کے باعث قیمت چڑھ جاتی ہے اور تاجروں کو معمول سے زیادہ نفع ملتا ہے لیکن اس زیادہ نفع کی وجہ سے دوسرے تاجروں کو ترغیب ہو جاتی ہے کہ وہ ایسی چیز پیدا

1. Business Economics, Adam Smith,P:10

کر کے زیادہ نفع کمائیں۔ چنانچہ وہ اس کاروبار میں مقابلے کے لیے اگے بڑھتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ چیز بنانے کے لیے مزدور بھی دوسرے پیشوں سے نکل کر آجاتے ہیں اور سرمایہ بھی۔ رفتہ رفتہ قیمت گھٹتے گھٹتے اصل سے بھی نیچے آجاتی ہے۔ بہر حال ہر چیز کی قیمت اس کی حقیقی قدر کے ارد گرد ہی گھومتی ہے۔ البتہ جب کسی کی رسد اور طلب بالکل برابر ہو تو اس وقت جو قیمت ہو گی وہ حقیقی اور قدرتی قیمت ہو گی اس سے ثابت ہوا کہ ہر شخص کا مفاد منڈیوں کی آزادی میں مضمر ہے۔ جس سے مقابلہ عام ہو جو چیز کوئی چاہے کم سے کم قیمت پر حاصل کر سکے اس قسم کے آزادانہ نظام معیشت میں ہر شخص وہی چیز بنائے گا جو دوسروں سے بہتر اور ارزاں قیمت پر بنا سکتا ہو۔ اس طرح تمام پیداواری وسائل وذرائع عام زمین کی ضروریات کے عین مطابق ہوں گے۔[1]

ایڈم سمتھ کی رائے میں معاشی ترقی کا ایک اور اہم اصول یہ ہے کہ منڈیوں کو آزاد رکھا جائے طلب ورسد ایک دوسرے کے مقابل ہوں تاکہ اشیاء حقیقی قیمت میں میسر ہوں ورنہ طلب یا رسد میں سے ایک کے زیادہ اور دوسرے کے کم ہونے کے نتیجے میں اشیاء کی قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور تاجر ومزدور نفع کی خاطر ان اشیاء کی پیداوار میں لگ جاتے ہیں جس سے اشیاء کی رسد طلب سے زیادہ ہو جاتی ہے اور اشیاء کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ ایڈم سمتھ کا نظریہ یہ ہے کہ اگر طلب ورسد دونوں برابر رہیں تو ان اشیاء کی قیمت حقیقی ہو گی لہذا ثابت ہوا کہ نفع کی صورت یہی ہے کہ منڈیاں آزاد ہوں۔ دور حاضر میں پاکستان میں اشیاء کی طلب ورسد برابر ہیں لیکن چند اجارہ دار ان اشیاء کی منڈیوں سے خریداری کر کے ان کو ذخیرہ کرتے ہیں جس سے اشیاء کی رسد میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور طلب بڑھ جاتی ہے جو اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ گویا اس نظریے کے تحت محض منڈیوں کی آزادی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اجارہ دار افراد، کمیشن لینے والے اور بروکرز کے خلاف اقدامات کرنے کی بھی اشد ضرورت ہے تاکہ حقیقی معنوں میں منڈیوں کی آزادی عمل میں آسکے۔

۴۔ ٹیکس عائد کرنے کے اصول:

اگر کسی ملک نے معاشی خوشحالی حاصل کرنی ہے تو اسے اپنی پیداواری صلاحیتوں میں اضافہ لانا ہو گا۔ اگر ٹیکس ہوں گے تو کاروباری سرگرمیوں میں نفع زیادہ ہو گا اور معیشت پھلے پھولے گی، معیشت میں ترقی سے حکومت کو مجموعی طور پر زیادہ ٹیکس ملے گا جس سے ترقیاتی اخراجات میں اضافہ ہو گا۔ یوں مزید پیداوار سے مزید خوشحالی جنم لے گی ۔ سمتھ کے نزدیک معاشی ترقی کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ ٹیکس وصول کئے جائیں۔ سمتھ نے ٹیکس عائد کرنے کے چار اصول بیان کیے ہیں۔

۱۔ اصول مساوات

1.General Economics, P.v Raghvan,(Dorling Kindersley Press,India,2011),P:6

۲۔ اصول تیقن

۳۔ اصول سہولت

۴۔ اصول کفایت

اصول مساوات سے مراد یہ ہے کہ ہر فرد ذاتی حیثیت کے اعتبار سے ٹیکس دے۔ جس شخص کی آمدنی زیادہ ہو وہ زیادہ ٹیکس ادا کرے اور جس کی آمدنی کم ہو وہ کم ٹیکس ادا کرے۔ اصول تیقن سے مراد یہ ہے کہ ٹیکس دہندہ کو علم ہونا چاہیئے کہ اس نے ٹیکس ادا کرنا ہے، کب کرنا ہے اور کہاں ادا کرنا ہے۔ اصول سہولت سے مراد یہ ہے کہ ٹیکس ادا کرنے والا اسے بوجھ تصور نہ کرے۔ مثلاً زمیندار سے اس وقت ٹیکس وصول کیا جائے جب فصل تیار ہو چکی ہو۔ اصول کفایت کا مطلب یہ ہے کہ ٹیکسوں کی وصولی کا نظام اس طرح کا ہونا چاہیئے کہ کم روپیہ خرچ کرکے زیادہ ٹیکس وصول کیا جائے۔ سمتھ کے مطابق عمومی خوشحالی پانے کے تین طریقے ہیں۔ (۱)

۱۔ ذاتی مفاد وملکیت کے لیے جدوجہد

۲۔ محنت اور مہارت کی تقسیم

۳۔ آزاد تجارت اور مسابقت

اپنی کتاب دولت اقوام کے فقرہ اول میں ہی اس نے محنت کی تقسیم کو معاشی ترقی کا لازمی محرک قرار دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مزدور کی صلاحیت پیداوار، ہنر، اور فیصلہ کی صلاحیت و عمل داری محنت کی تقسیم کی ہی مرہون منت ہے۔

۵۔ ریاست کی عدم مداخلت اور معاشی آزادی:

سمتھ کے مطابق ترغیب منافع، محنت کی تقسیم، تجارت اور مسابقت ہی خوشحالی کا منبع ہیں اور ریاست کو حتی الامکان ان عناصر کو آزاد چھوڑ کر صرف بلاواسطہ ہی مارکیٹ پر اثر انداز ہونا چاہیے۔ یہیں سے شخصی آزادی میں ریاست کی عدم مداخلت کا اُصول مشتق ہوتا ہے۔ یہی اُصول ریاست کو تحفظ عوام، قومی دفاع، قانونی استحکام، بنیادی ڈھانچہ اور تعلیم کی فراہمی تک محدود کر دیتا ہے۔ یہ اُصول ریاست کو مارکیٹ میں مداخلت کرنے سے روکتا ہے جس کے باعث زیادہ سے زیادہ پیداوار ممکن ہوتی ہے۔ سمتھ نے اس معیشت کی آزادی کے نظریہ یعنی لبرلائزیشن آف اکانومی کی بنیاد رکھی جس نے صنعتی انقلاب کے فقید المثال پیداواری قوتوں کو جنم دیا اور اس بات کی وکالت کی کہ آزاد منڈی خود اپنے طور پر توازن قائم رکھنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ (۲)

1.The Continum james,Adam Smith,P:10
2. Ibd

ایڈم سمتھ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ ریاست کسی شخص کے کاروبار یا مارکیٹ میں مداخلت نہ کرنے تا کہ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل ہو سکے۔ اگر دیکھا جائے تو اس نظریے سے ایک شخص کا ذاتی مفاد تو ممکن ہے لیکن اس سے اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے کیونکہ ہر فرد اپنے مفاد کی خاطر ان اشیاء کی حرص میں لگ جاتا ہے جس سے اسے ذاتی طور پر نفع حاصل ہو لہذا ضروری ہے کہ ریاست ان معاملات میں مداخلت کرے تا کہ فرد یا شخصی مفاد کے ساتھ ساتھ اجتماعی مفاد کا تحفظ بھی کیا جا سکے۔

٦۔ دولت بڑھانے کے طریقے:

ایڈم سمتھ یہ دعوی کرتا ہے کہ دولت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ انسانی محنت اور ذرائع پیداوار ہیں۔ اس نظریے کے مطابق دولت میں اضافہ دو چیزوں پر مبنی ہے۔

اول: مزدوروں کی ہنر مندی اور صلاحیت، عام آدمی کی معاشی فلاح و بہبود اس امر پر منحصر ہے کہ کل پیدا کردہ دولت کو پوری آبادی سے کیا نسبت ہے اس چیز کو آج کل اصلی آمدنی فی کس قرار دیا جاتا ہے۔

دوم: سمتھ کے نزدیک دولت کی پیدائش بڑھانے کے فقط دو طریقے ہیں پہلا تقسیم کار، دوسرا مشینوں کا صحیح استعمال۔ اس نے مختلف اشیاء کی مثالیں دیتے ہوئے بتایا کہ اگر کسی چیز کی تیاری مختلف افراد کے حوالے کر دی جائے تو کس طرح فی کس پیداوار بڑھ جائے گی لیکن ساتھ میں سمتھ یہ کہتا ہے کہ تخصیص کار کو بڑے پیمانے پر استعمال کرنا صرف اس شکل میں مفید ہو سکتا ہے جب اشیاء کی فروخت کے لیے منڈیاں بہت وسیع ہوں کیونکہ ایک شے کی بہت بڑی مقدار جو تخصیص کار سے پیدا ہو جاتی ہے کسی چھوٹی یا مقامی منڈی میں تمام کی تمام نہیں بھیجی جا سکتی اس لیے کہ وہاں اتنی طلب نہیں ہوتی۔ سمتھ کا یہ دعوی بھی بالکل صحیح ہے کہ حمل و نقل کے ذرائع میں ترقی ہونے سے منڈیاں وسیع ہو جاتی ہیں۔ طلب بڑھ جاتی ہے تقسیم کار زیادہ ہو جاتی ہے اور صنعت و تجارت ترقی کرتی ہے۔[1]

1.The Wealth of Nation, Adam Smith,(Infinite Ideas Limited UK,2009),P:45

۲۔کارل مارکس کے معاشی نظریات

کارل مارکس جرمنی کے شہر ٹرائر میں ۵ مئی ۱۸۱۸ کو پیدا ہوئے۔ کارل مارکس معاشی اور سماجی ماہر کے طور پر جانے جاتے تھی۔ "سرمایہ اور مزدوری" کے نام سے مشہور کتاب ۱۸۴۹ میں پہلی بار شائع ہوئی۔ مارکس کے معاشی نظریات ان بنیادی تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن سے معاشی ترقی رونما ہوتی ہے۔

کارل مارکس کا معاشی نظریہ:

مارکس نے انسان کی پوری تاریخ کو اس کی معاشی کیفیات کا عکس قرار دے دیا۔ اس کی نظر میں قانون، اخلاق، مذہب، علوم وفنون، سیاسی ادارے اور معاشرتی ادارے اور معاشرتی آداب ورسوم یہاں تک کہ زبان اور اس کے مختلف اسالیب بیان بھی زندگی کے مادی تقاضوں اور مروجہ معاشی نظام کی ضروریات سے پیدا ہوکر نشوونما پاتے ہیں۔

"The Economic system is the basic foundation upon which the upper building of the building is built, and it is the basis on which the human relations are related to the domestic and to the social life." (1)

"معاشی نظام ہی وہ اصل بنیاد ہے جس پر تمدن کی بالائی عمارت تعمیر ہوتی ہے اور یہی وہ اساس ہے جس پر انسانوں کے باہمی تعلقات خانگی سے متعلق ہوں اور معاشرتی زندگی سے"۔

ا۔ ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت:

محنت کش عوام تمام پیداواری قوتوں، تجارت کے ذرائع اور اشیاء کی تقسیم اور تبادلے کے متعلق تمام امور کو انفرادی ہاتھوں سے اپنی مشترکہ ملکیت میں لے لیں گے اور پورے معاشرے کی ضروریات اور دستیاب وسائل کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے منصوبہ بندی کے تحت انتظامات کریں گے تو اس طریقے میں سب سے اہم پیش رفت یہ ہوگی کہ موجودہ وسیع پیمانے پر چلنے والی صنعت جو انفرادی ملکیت کی وجہ سے منفی نتائج کا باعث ہے کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا اور پھر بحران نہیں آئیں گے۔ فاضل پیداوار بحران اور بدحالی کا باعث بننے کی بجائے معاشرے کے ہر فرد کی ضروریات کو مکمل تحفظ فراہم کرے گی اور نئے ذرائع پیداوار تخلیق کرنے کا باعث بھی ہوگی اس کی وجہ سے ترقی کے نئے ادوار شروع ہوں گے۔ جو بغیر کسی تغیر یا وقفے کے جاری وساری رہیں گے۔ معیشت تین اجزاء کا مجموعہ ہوتی ہے، پیداوار، پیداوار کی تقسیم اور معیار زندگی۔ اس کا اہم ترین حصہ پیداوار ہے جبکہ باقی دو شعبوں کا عمل شروع ہی اس وقت ہوتا ہے جب پیداوار موجود ہو، اگر پیداوار ہوگی تو اس کی تقسیم بھی ہوگی اور وہ خرچ بھی ہوگی۔ بغیر پیداوار

---

1. Das Kapital,Kritik der politischen Oekonomie,(Verlog Von otto,1867)P:19

کے نہ تقسیم پیداوار دولت کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ شہریوں کے پیداوار کو خرچ کرنے کا۔ ایک معاشرے کی کل پیداوار ہی اس معاشرے کی آمدن ہوتی ہے۔ کارل مارکس کے خیال میں معاشی ترقی اور سماجی ارتقاء میں ذرائع پیداوار کا کردار مرکزی ہے۔بقول مارکس مشینی ذرائع پیداوار نے صنعتی عہد کو جنم دیا، اور یہ صنعتی عہد ہی دور جدید کا اصلی جوہر ہے۔ زراعت سے پہلے کے زمانے میں ہم اوہام اور جادو پرستی کا عروج دیکھتے ہیں، جو زرعی دور میں نسبتاً کم ہو گیا اس کی جگہ دو علوم کو زیادہ اہمیت ملتی ہے۔ ایک محدود پیمانہ پر زمینی حقائق کا علم، جیسے حساب جس کو ترقی زرعی پیداوار کے حساب کتاب اور شماریات سے ملی، محدود پیمانہ کی بیالوجی (طب) وغیرہ، اور دوسرا خالص نظریاتی فلسفہ کے حامل مذاہب۔ عہد زراعت میں ہمیں دور جدید کا اہم ترین ذریعہ علم، تجزیاتی طریقہ اگر کہیں اکا دکا ملتا ہے تو وہ شہری ریاستیں ہیں جن کی معیشت کا انحصار تجارت پر تھا۔[۱]

کارل مارکس کی اس رائے کے مطابق اگر ذرائع پیداوار سے اگر کسی فرد کو اس کی ذاتی ملکیت سے محروم کر دیا جائے تو اس سے نفع کے بجائے نقصانات کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اشیاء جو کسی ایک فرد کی ذاتی ملکیت میں ہوں تو وہ فرد ان اشیاء میں اضافے اور بہتری کے لیے اپنی پوری توانائی صرف کرتا ہے اس کے برعکس اگر اس چیز سے فرد کی ذاتی ملکیت ہٹادی جائے تو وہ اس فرد کی قوت محرکہ میں کمی کا باعث ہے جس کے سبب وہ اس میں محنت بھی کم کرے گا اور عدم توجہی کا بھی شکار رہے گا اس کی مثال سرکاری املاک سے لی جاسکتی ہے وہ تمام اشیاء جو سرکاری ملکیت میں ہیں ان کی نسبت کوئی بھی فرد اپنی ذاتی ملکیت پر زیادہ توجہ دیتا ہے اور ان اشیاء کے تحفظ اور حفاظت میں لوگوں کی دلچسپی کا معیار بھی مختلف نظر آئے گا۔ اسی طرح نجی کمپینیوں کے مقابلے میں سرکاری کمپنیوں میں کام کی رفتار اور کام کرنے والے افراد کی دلچسپی کم نظر آئے گی لہذا اشیاء پر افراد کی نجی ملکیت بھی ضروری ہے۔

۲۔ ٹیکنالوجی کا استعمال:

کارل مارکس کے نزدیک معاشی ترقی کا ایک اہم ذریعہ جدید ٹیکنالوجی کا استعمال ہے۔ دنیا میں آج وہی معاشرے ترقی یافتہ ہیں جن کی پیداوار ترقی یافتہ ٹیکنالوجی ہے اور حجم میں بہت زیادہ ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بنیاد پر کی جانے والی اصلاحات عوام کی ضروریات پورا کرنے کی ضامن ہوں گی یوں اشیاء اتنی وافر مقدار میں پیدا ہوں گی کہ معاشرے کے ہر فرد کی تمام ضرورتوں یعنی مانگوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ صرف سائنس و ٹیکنالوجی کے حامل کیمیائی و میکانکی آلات پیداوار صنعتی وزرعی پیداوار کو اس سطح تک بڑھانے کے لیے کافی نہیں بلکہ ان آلات پیداوار کو پوری طرح استعمال میں لانے میں عوام کی صلاحیت، ترقی میں مزید اضافے کا باعث بنے گی۔

ا۔ ہم معاشی ترقی کیسے کر سکتے ہیں؟، (کالم)، جاوید اختر، دنیا نیوز، ۱۵ جنوری ۲۰۱۶ء

دور جدید کی سب سے بڑی قدر بھی پیداوار ہے۔ ہر وہ عمل اچھا ہے جس سے پیداوار میں اضافہ ہو۔ ایسا اضافہ جو لوگوں کی ضرورت پوری کرے اور انہیں راحت پہنچائے۔ پیداوار میں اضافہ یا معاشی ترقی کا حقیقی سفر اس وقت شروع ہوتا ہے جب تمام افراد میں محنت ، مثبت معاشی فیصلوں اور سرگرمیوں کی تحریک پیدا کی جائے گی۔ معاشی عمل میں تیز رفتاری اور ترقی اس وقت آتی ہے جب تمام افراد کو اس سے فائدہ حاصل ہو اور تمام افراد اس کا حصہ ہوں۔ فائدے کا حصول مزید فائدے پر اکساتا ہے اور نقصان سے عمل میں سستی اور جذبوں میں مایوسی آتی ہے۔ اگر پاکستان کو تیز رفتار اور مستقل ترقی مطلوب ہے تو نہایت ضروری ہے کہ تمام شہری معاشی عمل میں شامل کئے جائیں۔ معیشت میں تمام افراد کے مفادات کو ترجیحی بنیادوں پر شامل کیا جائے اور لوگ معاشی عمل میں تیز رفتاری اور مستقل مزاجی کو اپنا کر اسے مزید بہتر سے بہتر بنائیں۔ (۱)

۳۔ نظریہ قدر زائد کا تعارف:

نظریہ قدر زائد سے مراد محنت کش کی پیدا کی گئی قدر کا وہ حصہ جو سرمایہ دار کے لیے نفع تخلیق کرتا ہے اسے "قدر زائد" کہتے ہیں۔

کارل مارکس نے قدر زائد کا نظریہ پیش کیا وہ کہتا ہے کہ ایک سرمایہ دار اس لیے سرمایہ دار بنتا ہے کہ وہ قدر زائد کو حاصل کر کے مزدور یا محنت کش طبقے کا استحصال کرتا ہے۔ مارکس کے خیال میں اشیاء وخدمات کی پیدائش قدر محنت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لیکن یہ سرمایہ داری نظام میں بڑا حصہ سرمایہ دار خود ہتھیا لیتا ہے اور مزدور کو جو اجرت ملتی ہے وہ اس کی حقیقی محنت کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔ نجی ملکیت کے نظام میں اس کا کوئی مداوا نہیں ہو سکتا۔ اس استحصال کا خاتمہ صرف اجتماعی ملکیت کے نظام میں ممکن ہے۔ کارل مارکس کی طرح آدم سمتھ اور ڈیوڈر ریکارڈو نے واضح انداز میں محنت کو مال کمانے کا ذریعہ قرار دیا تھا۔ آدم سمتھ کا کہنا ہے کہ محنت ہی اکھٹی ہو کر سرمایہ بنتی ہے۔ ڈیوڈر ریکارڈو کے نزدیک کسی جنس کی قدر وقیمت اس محنت سے متعین ہوتی ہے جو اس جنس پر لگائی جاتی ہے۔ کارل مارکس نے ان کتابوں کا غور سے مطالعہ کیا اور یہ کہہ کر بات کو اگے بڑھایا کہ محنت ایک جنس ہے جسے دوسری اجناس کی طرح فروخت کیا جاتا ہے۔ کارل مارکس نے سرمائے کے جمع ہونے کے عمل کو تجزیہ کرتے ہوئے قدر زائد کا انکشاف کیا اور کہا کہ یہی قدر زائد نفع بنتی ہے اور اس کے اکھٹا ہونے سے سرمایہ کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔

مارکس اپنی مشہور کتاب "سرمایہ" میں جنس کی تعریف سے بحث کو شروع کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جنس ایسی شے ہے جو کسی انسانی ضرورت کو پورا کرتی ہے نیز اس کا تبادلہ بھی کیا جا سکتا ہے اس لحاظ سے جنس کی ایک خاص قدر ہوتی ہے۔ اجناس میں قدر مشترک یہ ہے کہ وہ انسانی محنت کی پیداوار ہوتی ہیں، یہ محنت انفرادی نہیں ہے بلکہ

1.Das Kapital, Kritik der, (politischen Oekonomie Press London),P:37

اجتماعی حیثیت رکھتی ہے۔اجناس کی قیمت کو اس محنت سے متعین کیا جائے گا جو بحیثیت مجموعی اس پر صرف کی جاتی ہے گویا قدروں کی حیثیت میں اجناس منجمد اوقات محنت ہیں جو اس پر صرف کیے گئے ہیں۔گزشتہ زمانے میں مال برائے مال کے تبادلے میں قاعدہ یہ ہے کہ پہلے روپیہ ہوتا ہے۔پھر وہ جنس کی صورت اختیار کرلیتا ہے پھر اس جنس کو بیچ کر روپے میں تبدیل کرلیا جاتا ہے جو پہلی رقم سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔روپے کی اصل قیمت میں جو اضافہ ہوتا ہے اسے مارکس نے زائد قدر کا نام دیا ہے۔یہی اضافہ روپے کو سرمائے میں تبدیل کرتا رہتا ہے۔زائد قدر اس وقت بنتی ہے جب محنت جنس میں بدل جاتی ہے۔زائد قدر کے معاشی قانون کا انکشاف کارل مارکس کا ایک گراں قدر فکری کارنامہ ہے۔[1]

کارل مارکس کے اس نظریے کا تجزیہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ اس کی رائے میں محنت کرنے والے مزدور کو نفع کا ایک بڑا حصہ ملنا چاہیئے جبکہ سرمایہ دار مزدور کے حق کا استحصال کرتا ہے جب کہ دیکھا جائے تو سرمایہ دار اپنی کمائی کا ایک بڑا حصہ سرمایہ میں لگاتا ہے لہذا حاصل ہونے والے نفع میں مالک کا بھی حق ہے اور مزدور کو نفع دینے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس کو اس کی محنت کے مطابق اضافی اجرت دے دی جائے اس طرح سرمایہ دار اور مزدور دونوں کو منافع کا کچھ حصہ میسر آئے گا اس کے برعکس دونوں اگر حد سے بڑھیں گے تو انتشار کی صورت پیدا ہوگی جبکہ کارل مارکس کا یہ نظریہ مزدوروں کے حق میں مالکان کے خلاف انتہا پسندانہ رائے ہے۔

۴۔مرتکز منصوبہ بندی:

کارل مارکس کے نزدیک معاشی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ملکی سطح پر حکومت کو چاہیے کہ وہ ایسا منصوبہ تیار کریں جس میں ایسی منصوبہ بندی کی جائے کہ اس منصوبہ بندی سے لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہوسکے اور ملکی معیشت میں بھی اضافہ ہوسکے۔ملکی سطح پر ایک ادارہ قائم کیا جائے جو منصوبہ بندی کرے اور اس کو ملک میں نافذ بھی کردے اور یہ فیصلہ خود کرے کہ سال میں کتنی مقدار میں کاشت کاری کرنی ہے، کیا کاشت کرنا ہے اور کس کس علاقے میں کیا کاشت کرنا ہے۔اسی طرح سے صنعت کے بارے میں یہ ادارہ منصوبہ بندی کرے کہ کہاں کہاں نئی صنعت لگانی ہے اور کس چیز کی صنعت لگانی ہے۔اس طرح سے کارل مارکس کے نزدیک معاشی ترقی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔منصوبہ بندی صنعت و معیشت پورے معاشرے کے باہمی اشتراک سے چلتی ہے وہ بنی نوع انسان کے ہر فرد کی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان سے بھرپور فائدہ اٹھاتی ہے اور پیداواری عمل کو ترقی دینے کی صلاحیت اور گنجائش کو بروئے کار لاتی ہے۔محنت کی تقسیم ایک فرد کو کسان بناتی ہے تو دوسرے کو موچی، تیسرے کو

---

1. Scoial Theory For Beginners, Paul rensome ,(Policy Press,University of Bristo, UK),P:52

صنعتی کارکن تو چوتھے کو سٹاک مارکیٹ آپریٹر اور یہ سارے افراد مشینوں کے تابع ہوتے ہیں یہ تقسیم مکمل طور پر مٹ جائے گی اس نظام کے تحت دی جانے والی تعلیم نوجوانوں کو جلد ہی اس قابل بنا دے گی کہ انہیں پیداوار کے تمام عمل پر مہارت ہو اور وہ ایک شعبے پر دسترس رکھنے کے بعد دوسرے شعبوں میں بھی مہارت حاصل کر کے معاشرے اور بنی نوع انسان کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائیں اور یوں وہ زندگی بھر ایک اکتا دینے والے پیشے یا کاروبار سے نجات حاصل کر سکیں گے۔ (۱)

اس نظریے کے تحت حکومت کی ذمہ داری میں شامل ہے کہ وہ لوگوں کو معاشی طور پر مضبوط بنانے کے لیے منصوبہ بندی کرے جس کے تحت ملکی ضروریات پورا کرنے کے لئے کس قدر پیداوار کی ضرورت ہے ؟ کس طرح، کہاں اور کیا کاشت کیا جائے ؟ طلب کتنی اور کس چیز کی ہے ؟ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے مناسب جگہوں پر صنعتوں کا قیام عمل میں لایا جائے۔ لوگوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر بہترین پیداوار حاصل کر کے ملکی معیشت میں اضافہ کیا جائے۔ نوجوانوں کو متعلقہ شعبوں میں مہارت دی جائے تا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے نفع کا باعث بن سکیں۔

۵۔ جدید صنعت کا قیام:

جدید صنعت کا اجراء ترقی یافتہ قوم کی زندگی اور موت کا سوال بن گیا ہے ایک ملک کی صنعت کا انحصار اس ملک کی خام پیداوار پر ہی نہیں بلکہ دور دراز ملکوں سے حاصل کی جانے والی خام پیداوار پر بھی ہو گیا ہے۔ اس طرح فیکٹریوں کی مصنوعات کی کھپت بھی صرف ایک ملک تک محدود نہیں بلکہ ساری دنیا میں اس کی کھپت پھیل رہی ہے۔ قدیم ضروریات کی جگہ نئی ضروریات آئے دن جنم لے رہی ہیں اور ان ضروریات کی تکمیل کے لیے دور دراز ملکوں کی مصنوعات کی مانگ ہوتی رہتی ہے وسیع پیمانے ہر صنعت سازی نجی ملکیت کے دباؤ سے آزاد ہو جائے گی اس میں اسی پیمانے کی وسعت آئے گی جیسی گھریلو دستکاری کے مقابلے میں جدید صنعت میں آئی تھی۔ صنعت میں اس نوع کی ترقی اور پیش رفت سے معاشرے کے ہر فرد کی ضروریات با آسانی پوری ہوں گی اسی طرح زراعت جو کہ نجی ملکیت اور زمین کے ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کی وجہ سے زیادہ سود مند نہیں ہے اس دباؤ سے آزاد ہو جائے گی۔ پیداواری عمل میں جدت کے لیے نئے عوامل اور وسائل کی ضرورت ہو گی۔ مشترکہ پیداواری عمل محض چند افراد تک محدود نہیں ہو گا، جہاں آج ہر فرد انفرادی طور پر پیداوار کے کسی ایک شعبے تک محدود ہے اسے محض ایک محدود عمل تک محدود کر کے اس کا استحصال کیا جاتا ہے وہ سارے پیداواری عمل میں مجبور ہوتا ہے (۲)

1.Das Kapital,Kritik der (politischen Oekonomie).P:67
2.Synopsis of Karl Marx's Capital, Friedrich Engels,(New york, University),P:51

خلاصہ بحث:

اس فصل میں غیر مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کا جائزہ لیا گیا ہے جس میں ایڈم سمتھ اور کارل مارکس کی آراء کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایڈم سمتھ معاشیات کو دولت کا علم قرار دیتا ہے جس کے مطابق انسان کی ساری سرگرمیاں اس وقت وجود میں آتی ہیں جب انسان مال بنانا چاہتا ہے جب کہ کارل مارکس کے نزدیک معاشی نظام ہی وہ اصل ہے جس پر تمدن کی بالائی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ ایڈم سمتھ کے نزدیک معاشی ترقی میں سود کا ایک اہم کردار ہے سود سے نہ صرف سرمایہ اکٹھا ہوتا ہے بلکہ سود سے نفع حاصل کے سبب لوگ زیادہ سرمایہ لگانے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ ایڈم سمتھ کے نزدیک سود کے حصول کا دروازہ بند کر دینے کی صورت میں نہ صرف روپیہ جمع ہونے کا محرک ختم ہو جائے گا بلکہ کاروبار میں لگانے کے لیے سرمایہ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ ایڈم سمتھ کا دعوی ہے کہ معاشی ترقی کے لیے انسانی محنت اور ذرائع پیداوار کا ہونا ضروری ہے لہذا دولت کو بڑھانے کے دو طریقے بیان کیے ہیں ان میں ایک تقسیم کار یعنی لوگوں میں کام کو تقسیم کر دیا جائے اور دوسرا مشینوں کا درست استعمال ہے۔

کارل مارکس کے نظریے کے مطابق اگر تمام پیداواری وسائل، تجارت کے ذرائع وغیرہ کو انفرادی ملکیت سے نکال کر اجتماعی ملکیت میں داخل کر دیا جائے تو اس سے انفرادی ملکیت میں رہنے سے ہونے والے نقصان کم ہو جائیں گے اور بحران نہیں آئیں گے۔ کارل مارکس کے نزدیک معیشت تین اجزاء کا مجموعہ ہوتی ہے۔ پیداوار، پیداوار کی تقسیم اور معیار زندگی۔ اس کا اہم ترین حصہ پیداوار ہے مارکس کے خیال میں معاشی ترقی میں ذرائع کا کردار مرکزی ہے۔ کارل مارکس کے نزدیک معاشی ترقی کا ایک اہم ذریعہ جدید ٹیکنالوجی کا استعمال ہے اسی طرح کارل مارکس مرتکز منصوبہ بندی کے بھی قائل ہیں تاکہ لوگوں کی معاشی حالت اس سے بہتر ہو سکے اس منصوبہ بندی کے تحت کہ کیا، کب اور کتنا کاشت کرنا ہے اور کون سے صنعت لگانی ہے اس طرح سے معاشی ترقی میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ کارل مارکس کے نزدیک جدید انڈسٹری کا قیام بھی ضروری ہے کیونکہ قدیم ضروریات کی جگہ نئی ضروریات جنم لے رہی ہیں اور جدید صنعت کے قیام سے معاشی ترقی میں اضافہ ہوتا ہے۔

فصل دوم

معاشی ترقی مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کی روشنی میں

فصل دوم:

۲۔ امام ابو یوسفؒ کے معاشی افکار

امام ابو یوسف کا نام یعقوب ہے عرب کے قبیلہ بجیلہ سے تعلق تھا۔ آپ کی پیدائش ۱۱۳ھ میں ہوئی۔ آپ نے معیشت کے بارے میں ایک مشہور کتاب لکھی جس کا نام کتاب الخراج ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں متعدد مقامات پر اس حقیقیت کو اچھی طرح واضح کیا ہے کہ ملک کی معاشی ترقی کا اہتمام اور قومی دولت میں اضافہ کرنا اسلامی ریاست کے سربراہ کی اہم ذمہ داری ہے انہوں نے معاشی ترقی کے بارے میں ہارون الرشید کو مکمل رہنمائی دی ہے وہ اپنی کتاب میں ایک جگہ خلیفہ کو مشورہ دیتے ہیں جن کا مقصد عوام کی مادی فلاح و بہبود میں اضافہ کرنا ہے وہ کتاب الخراج میں بیان فرماتے ہیں ہیں کہ خلیفہ کو چاہیئے کہ وہ اہل رائے اور صاحب بصیرت لوگوں سے اس ضمن میں مشورہ کرے کہ معاشی فلاح و بہبود میں اضافہ کیونکر ممکن ہے؟ وہ بنیادیں جن پر معاشی ترقی استوار ہوتی ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں ان بنیادوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو کسی ملک کے معاشی طور پر مضبوط ہونے کے لیے بہت اہم ہیں اور جن کے بغیر کوئی بھی ملک معاشی طور پر مضبوط نہیں ہو سکتا ان کے نزدیک یہ بنیادیں درج ذیل ہیں۔(۱)

۱۔ عدل و انصاف کی فراوانی۔

۲۔ انفرادی حق ملکیت کی حفاظت۔

۳۔ معاشی ترقی کے کاموں میں حکومت کی دلچسپی۔

۴۔ عمال حکومت پر خصوصی پابندیاں۔

۱۔ عدل وانصاف کی حکمرانی:

امام ابو یوسفؒ کا نظریہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ عدل وانصاف کی حکمرانی اور ظلم واستبداد کی بیخ کنی ہی اقتصادی ترقی کی اصل بنیاد ہے ظلم اور معاشی ترقی دو متضاد امور ہیں جو کسی معاشرہ میں یکجا نہیں ہو سکتے عدل وانصاف اور معاشی ترقی آپس میں لازم وملزوم ہیں انہوں نے کتاب الخراج میں ہارون الرشید کو واضح طور پر عدل وانصاف کے بارے میں ہدایت دی ہیں فرماتے ہیں:

۱۔ کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ص:۸۵

(ولیس یلبث البنیان ،اذا اسس علٰي غیر التقوی ان یاتیه الله من القواعدفیهدمه علیٰ من بناء واعان علیه-فلا تضیعین ماقلدک الله من امر هذه الامة والرعیة) (۱)

ترجمہ: عمارت اگر تقوی کے سوا کسی اور چیز پر کھڑی کی گئ تو بعید نہیں کہ اللہ اس کو بنیادوں سے اکھاڑ کر اس کے معمار اور اس کے مدد گاروں کے سر پر گرادے گا۔ اللہ نے اس امت اور رعیت کے جو کام آپ کے سپرد کئے ہیں انہیں خراب نہ کریں۔

عدل و انصاف کی صورت حال خراب ہونے سے معیشت میں خرابی پیدا ہوتی ہے اس کی مثال یوں بھی لی جاسکتی ہے کہ لوگ دوسروں کے مکان یا کاروبار پر ناجائز طور پر قبضہ کر لیتے ہیں جس سے لوگون کی معاشی صورت حال خراب ہوتی ہے اور لوگ اپنا سرمایہ کاروبار میں لگانے کی جگہ جائیداد کی واپسی کے لیے عدالتوں میں لگادیتے ہیں جہاں ان کا سرمایہ اور وقت تو لگتا ہے وہیں انصاف نہ ملنے کی وجہ سے اس کے سرمائے کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا ہے اگر یہ روپیہ کسی کاروبار میں لگتا تو اس سے ملکی معیشت میں بھی بہتری آتی۔ لہذا ضروری ہے کہ کسی بھی کی معیشت کو بہتر بنانے کے لیے اس میں عدل و انصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔

۲۔ انفرادی حق ملکیت کی حفاظت:

امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک معاشی ترقی اور شہریوں کی آبادکاری کے لیے دوسری اہم بنیاد انفرادی حق ملکیت کی حفاظت ہے ان کا نظریہ ہے کہ ہر فرد کی ملکیت کی حفاظت ہونی چاہیئے اور اسلامی ریاست کو اس ضمن میں اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہیئے انفرادی حق ملکیت کے بارے میں ان کی معاشی فکر درج ذیل ہے۔ انفرادی حق ملکیت کی حفاظت کی تلقین کرتے ہیں اور ان کے مالکوں کے حق کو ترجیح دیتے ہیں۔ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں :

(وَلَیْسَ لِلْاَمَامِ اَنْ یَّخْرُجَ شَيء مِنْ یَّدِ اَحَدٍ اِلَّا بِحَقٍ ثَابِتٍ مَعْرُوْفٍ) (۲)

ترجمہ: امام کو یہ حق حاصل نہیں کسی شے کو بھی کسی قبضہ سے بغیر کسی ثابت شدہ اور معروف حق کے نکال لے۔

اس ضمن میں امام ابو یوسف ؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیز ؒ کا یہ واقعہ تحریر کیا ہے کہ فوج کے گزرنے سے ایک شخص کی کھیتی تباہ ہو گئی تھی تو آپ نے اس کو دس ہزار درہم بطور معاوضہ دیے تھے۔ وہ حکومت سے یہ توقع کرتے تھے کہ معاشی ترقی کی راہ پر اس طرح چلے کہ کسی کے حق ملکیت پر زد نہ پڑے۔

۱۔ کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ص:۸۵

۲۔ ایضا، ص:۸۶

کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

(وَلَا اَرٰی اَنْ یَّتْرُکَ اَرْضًا لَا مُلْکَ لِاَحَدٍ فِیْھَا وَلَا عَمَّارَۃَحَتّٰي یَقْطَعُھَا الْاِمَامُ فَاِنَّ ذٰلِکَ اَعْمَر لِلْبِلَادِ وَاَکْثَرَ لِلْخِرَاجِ) (۱)

ترجمہ: میرے خیال میں غیر مملوکہ اور غیر آباد زمینوں کو بے کار چھوڑ رکھنے کی بجائے امام کو چاہیئے کہ انہیں بطور جاگیر مختلف افراد کو دے دے اس طرح ہمارے علاقے زیادہ آباد اور خوش حال ہو جائیں گے اور خراج میں بھی اضافہ ہو گا۔

امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک حق ملکیت کی حفاظت معاشی ترقی اور ملکی کامیابی کے لیے اہم ہے اس لیے حکومت لوگوں کے اجتماع ہی کا دوسرا نام ہے اگر افراد کی معاشی حالت بہتر ہو گی تو حکومت اسی قدر اقتصادی لحاظ سے مضبوط ہو گی۔ انفرادی حق ملکیت ہی کے احترام میں وہ لکھتے ہیں کہ خلیفہ کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ کسی کا حق چھین کر جاگیر کے طور پر کسی کو دے دے۔ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

(وَذٰلِکَ بِمَنْزِلَۃِ المَالِ الَّذِیْ لَمْ یَکُنْ لِاَحَدٍ وَلَا فِي یَدِ وَارِث)(۲)

ترجمہ: اور اس کا حال اس مال جیسا ہے جو کسی ملک میں نہ ہو، نہ ہی کسی وارث کے قبضے میں ہو۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

(وَلَیْسَتْ لِاَحَدٍ وَلَا فِي یَدِ اَحَدٍ وَلَا وَرَاثَۃٍ وَلَا عَلَیْھَا اَثْرُ عَمَارَۃ) (۳)

ترجمہ: اور نہ کسی کا حق ہو، نہ کسی کے قبضے میں ہو، نہ کسی کی ملکیت اور نہ کسی کا ورثہ ہو۔ اور جس پر کسی عمارت کے آثار بھی نہ ہوں۔

۳۔ معاشی ترقی کے کاموں میں حکومت کی دلچسپی:

امام ابو یوسف ؒ کا نظریہ یہ ہے حکومت کو اقتصادی کاموں اور معاشی فلاح وبہبود کے منصوبوں میں خصوصی دلچسپی لینی چاہیئے۔ ان کے نزدیک تمام اجتماعی کاموں کی بنیاد حکومت ہے اور حکومت کی دلچسپی کے بغیر کسی ملک کی معاشی ترقی ممکن نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ حکومت کو یہ فریضہ عبادت سمجھ کر ادا کرنا چاہیئے وہ زور دے کر یہ بات کہتے ہیں کہ جن معاشی وفلاحی منصوبوں سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو۔

۱۔ کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ص:۸۵

۲۔ ایضا

۳۔ ایضا

کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

(وَكُلُّ مَافِيْهِ مَصْلِحَةٌ لِأَهْلِ الخِرَاجِ فِي لِأَرضِهِم وَاَنْهَارِهِمْ وَطَلَبُوا اِصْلَاح ذٰلِکَ لَهُم اَجِيْبُوالَيهِ اِذَالَمْ يَكُنْ فِيهِ ضَرَرٌ عَلٰي غَيْرِهِم)[1]

ترجمہ: اپنی زمینوں اور نہروں کے سلسلہ میں اہل خراج کے ایسے مطالبے کو پورا کیا جانا چاہیئے جس سے ان کے مفادات اور مصالح کی ترویج متوقع ہو۔

۴۔ عمال حکومت پر خصوصی پابندیاں:

امام ابو یوسف ؒ کا نظریہ یہ ہے کہ کسی قوم کی معاشی ترقی اس وقت ہی ممکن ہے جب عمال حکومت اپنے فرائض احسن طریقہ سے ادا کریں وہ کہتے ہیں کہ ان پر چند ایسی پابندیاں عائد کر دی جائیں جن کی وجہ سے وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال نہ کریں۔ آپ کی اس رائے میں کافی وزن ہے کہ جس قوم کے حاکم سرکش ہو جائیں جہاں قانون کی حکمرانی ختم ہو جائے اور کمزور لوگ اپنے حقوق حاصل کرنے میں ناکام رہیں وہ اقتصادی طور پر تباہ ہو جاتی ہیں آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب وہ کسی شخص کو عامل مقرر کرتے تو انصار اور دوسرے لوگوں پر مشتمل ایک جماعت کو گواہ بنا کر اس شخص سے پابندی کا عہد لیتے تھے۔

گویا عمالِ حکومت اگر حد سے تجاوز کریں تو اس کے بھی منفی نتائج مرتب ہوتے ہیں دور حاضر میں بھی اس کی بہت سی مثالیں ہیں کہ لوگ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں اور بعض اوقات ایسے لوگوں کو منصب پر فائز کر دیتے ہیں جس کے وہ اہل نہیں ہوتے اس سے وہ ادارے کے ساتھ ساتھ ملکی معیشت پر بھی بوجھ بنے ہوتے ہیں ایسے اقدامات سے قانون کی بالادستی ختم ہو جاتی ہے اور ایک فرد کو نفع دینے کی خاطر پورے ملک کو اقتصادی طور پر تباہ حالیوں کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔

۵۔ معاشی ترقی کے لئے تجاویز:

کسی بھی ملک کی فلاح و بہبود اور معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں ترقیاتی منصوبہ بندی کی جائے اور مختلف تعمیر و ترقی کے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ملک کو ترقی کی طرف لے کر جایا جائے۔

۶۔ ترقیاتی سکیموں کا اجراء:

زرعی معاشیات میں سب سے زیادہ اہمیت آبپاشی کے لیے نہروں کی تعمیر نو کو حاصل ہوتی ہے تجارت کے فروغ کے لیے سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور فی الجملہ بہتر ذرائع نقل و حمل کی فراہمی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

۱۔ کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ص:۵۸

چنانچہ امام ابو یوسف ؒ نے زرعی اور تجارتی معیشت کے لیے نہروں کی تعمیر، سیلاب کی روک تھام، اور سڑکوں کی تعمیر پر بہت زور دیا۔[1] ان کے نزدیک ترقیاتی اسکیموں کے اجراء سے عوام کی اقتصادی حالت بہتر ہوتی ہے۔

۷۔ذرائع آمدورفت کی تعمیر:

امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک کسی ملک کی معاشی ترقی اور فلاحی بہبود کے لیے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ شہروں اور دیہاتوں کو ایک دوسرے سے ملانے والے خراب وخستہ حال راستوں کی نئے سرے سے تعمیر کی جائے آپ کے معاشی فکر میں یہ بات اور زیادہ اہمیت رکھتی ہے جب ہم کتاب الخراج میں صدقات کے بارے آپ کی آراء کا مطالعہ کرتے ہیں صدقات کے مصارف کے ضمن میں جیسا کہ تمام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ وہ آٹھ ہیں۔ لیکن امام ابو یوسف ؒ ایک اور مصرف کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔ زکوۃ کے مصارف کی تشریح کرتے ہوئے۔

کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

(وَسَهْمٌ فِي اِصْلَاحِ طُرُقُ الْمُسْلِمِينَ) [۲]

ترجمہ: اور ایک حصہ مسلمانوں کی سڑکوں کی مرمت کے لیے رکھا جائے گا۔

آپ ان کے الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ امام ابو یوسف ؒ راستوں کی تعمیر کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں یہاں تک کہ آپ زکوۃ کے مصارف میں اس کو شریک کرتے ہیں۔

ذرائع آمدورفت کی اہمیت پر امام ابو یوسف نے بہت زور دیا ہے لیکن دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر دور میں آنے والی حکومتوں نے اس کی اہمیت پر توجہ نہیں دی۔ اس صورت حال کا اندازہ دیہاتوں یا پہاڑی علاقوں کے راستوں کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے راستے اور سڑکیں پختہ نہیں ہیں جس سے لوگوں کو آمدورفت میں مشکلات کا سامنا ہے کسانوں کو خصوصاً غلہ منڈیوں تک لے جانے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر پختہ سڑکیں ہوں تو اس سے وقت اور پیسے دونوں کی بچت کے ساتھ ساتھ کسان غلے کی بہت بڑی مقدار کے ضیاع سے بچ جاتا ہے اور اسے منڈیوں میں بروقت پہنچا کر کسان ایک معقول رقم حاصل کر لیتا ہے جبکہ کچی سڑکوں کی وجہ سے بعض اوقات بارشوں کے سبب بہت سا غلہ خراب ہو جاتا ہے جو نقصان کا باعث ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ذرائع آمدورفت کو بہتر بنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں تاکہ کسان کو معاشی طور پر خوشحال بنایا جاسکے کیونکہ ایک خوشحال کسان ہی ملکی معیشت میں بہتری کا ضامن ہے۔

۱۔ کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ص:۱۵۲

۲۔ ایضاً، ص:۱۰۲

۸۔ ذرائع آبپاشی کی تعمیر و اصلاح:

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی ملکی زرعی ترقی کے لیے لازم ہے کہ پانی وافر مقدار میں موجود ہو لہٰذا حکومت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ زمینوں سے بہتر پیداوار حاصل کرنے کے لیے نئی نہریں کھدوائے اور پرانی نہروں کی مرمت اور صفائی کروا کر ان کو دوبارہ جاری کرنے کا اہتمام کرے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے نہ صرف رعایا خوشحالی ہو گی بلکہ زمینوں کی آبادکاری سے ملک بھی ترقی کرے گا۔ امام ابو یوسفؒ اس ضمن میں یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر سرکاری خزانہ اتنے اخراجات کو برداشت نہ کر سکے تو خلیفہ مالدار لوگوں کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے ساتھ تعاون کریں امام ابو یوسفؒ "کتاب الخراج" میں یہ رائے دیتے ہیں کہ فقراء اور مساکین کے حصے کے علاوہ دوسرے حصوں کے سلسلہ میں امام کو یہ حق حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مصارف میں سے جن پر مناسب سمجھے خرچ کرے اگر وہ باقی مال زکوٰۃ کو کسی ایک مصرف پر صرف کر دے تو بھی درست ہو گا۔ یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر حاکم کو ذرائع آمدورفت کی تعمیر اور ان کی مرمت و تعمیر و بہتری پر خرچ کر دے تو شرعی طور پر وہ اس کا مجاز ہے۔ امام ابو یوسفؒ خلیفہ ہارون الرشید کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اقتصادی میں یہ لازم ہے کہ تمام ریاستی علاقوں میں ایسے آدمیوں کو بھیجا جائے جو وہاں راستوں کی کیفیت کو دیکھیں اور عوام الناس کی رائے کے مطابق ذرائع آمدورفت کی تعمیر ہو کیونکہ ان کے نزدیک مسلمانوں کے راستے کسی فرد واحد کے لیے مخصوص نہیں ہوتے بلکہ سب کو ان سے یکساں استفادے کا حق حاصل ہوتا ہے۔[1]

اس مندرجہ بالا اقتباس سے امام ابو یوسفؒ کے معاشی افکار کے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ وہ نہر جو قدیم زمانہ سے کھیتوں کو سیراب کر رہی ہوں ان کو ہر صورت میں ان کی اصلی صورت میں ہی رہنے دیا جائے اور بند نہ کیا جائے کیونکہ ان کے ساتھ کثیر آبادی کا مفاد وابستہ ہوتا ہے۔

۲۔ نئی کھودی جانے والی نہروں کے بارے میں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ایک بڑے زرعی رقبہ کو سیراب کر رہی ہے اور اس کے مقابلے میں نقصان کا پہلو کم ہو تو ان نہروں کو بھی بند نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ اگر نئی نہروں سے ذرائع آمدورفت کو نقصان پہنچ رہا ہو تو اس صورت میں ان کو بند کر دیا جائے گا۔

۴۔ وہ نہریں جن سے آبپاشی کے ساتھ ساتھ انسان اور جانور بھی پانی پیتے ہوں تو ان کی اہمیت ان نہروں سے زیادہ ہے جن سے صرف زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہو۔

پاکستان میں آج بھی آبپاشی کے لیے پرانے ذرائع کا استعمال ہو رہا ہے جسے جدید طریقوں پر استوار کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ فصلوں کو پانی دینے کے لیے آج بھی کچے کھالوں کا استعمال کیا جا رہا ہے جو کہ ایک بہت وقت

۱۔ کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ص:۱۰۲

طلب اور پرانا ذریعہ ہے اس سے پانی بڑی مقدار میں ضائع بھی ہو جاتا ہے ان کھالوں کی صفائی میں بھی بہت وقت درکار ہوتا ہے اس کے برعکس دیگر ممالک میں آبپاشی کے لیے جدید ذرائع کا استعمال کیا جارہا ہے جس سے فصلوں تک بروقت پانی پہنچ جاتا ہے۔ پاکستان میں پانی کو ذخیرہ کرنے کا بھی کوئی مناسب نظام موجود نہیں ہے یہاں موجود ڈیمز کی تعداد بھی ناکافی ہے جس سے ہر سال بہت سا پانی ضائع ہو جاتا ہے خصوصاً گرمیوں میں دریا، ڈیمز، نہریں بھی خشک ہو جاتی ہیں اور لوگوں کو پانی کی قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے خصوصاً کسان پانی نہ ہونے کی وجہ سے فصلوں کی کاشت میں مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں جس سے ملک میں غذائی قلت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اوقات ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بہت سا اناج درآمد کرنا پڑا ہے جس میں ایک خطیر رقم لگ جاتی ہے اور ملکی معیشت متاثر ہوتی ہے۔ لہٰذا نظام آبپاشی کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے۔

۹۔ قومی املاک کا پیدا آور استعمال:

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عوام کی معاشی فلاح وبہبود میں اضافے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اسلامی ریاست قومی املاک کا پیدا آور استعمال عمل میں لائے وہ کہتے ہیں کہ وسائل پیداوار کو بے کار چھوڑ دینے سے عوام اور حکومت دونوں معاشی فوائد سے محروم رہتے ہیں اور ان کے صحیح استعمال سے نہ صرف ملکی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ افراد کو روزگار کے مواقع بھی ملتے ہیں امام ابو یوسف ایسی زمینوں کو جن کے مالکوں کا کچھ پتہ نہ چلے اور جن کا کوئی وارث نہ ہو ریاست کی ملکیت قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ آپ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

> ”میری رائے یہ ہے کہ ان زمینوں کی ساری آمدنی مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کر دی جائے اور جب تک کوئی شخص ان میں سے کسی چیز کا حق دار ہونے کا دعوی نہ کرے تو وہ ریاست کی ملکیت ہیں۔“ (۱)

یعنی امام ابو یوسف کے نزدیک ایسی لاوارث زمینوں کو انفرادی ہاتھوں میں دینا قوم کے اجتماعی مفاد کے خلاف ہے وہ لوگ ایسی زمینوں پر قابض ہو جاتے ہیں اور پھر صلاحیتوں کے فقدان کی وجہ سے وہ نہ تو ان کو خود صحیح طریقے سے کاشت کرتے ہیں اور نہ ہی اس سے حاصل کردہ آمدنیوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست اپنی زمینوں کے پیدا آور استعمال اور ان کے ذریعہ مزید آمدنی حاصل کرنے کے لیے ان کو ریاست کے زیر اہتمام کاشت بھی کرا سکتی ہے اور مزارعت کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے لوگوں کو بھی تقسیم کی جاسکتی ہیں بنجر زمینوں کی آبادکاری سے بہت سے فوائد وابستہ ہیں ملک کی دولت وثروت میں اضافہ ہوتا ہے اور ترقی ہوتی ہے۔

۱۔ کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ص: ۱۱۲

۲۔شاہ ولی اللہؒ کے معاشی افکار

شاہ ولی اللہؒ عہد مغلیہ کے مشہور علم اور مصنف تھے۔ ان کا پیدائشی نام قطب الدین تھا اور ۲۱ فروی ۱۷۰۳ء کو دلی میں پیدا ہوئے۔انھوں نے معیشت اور فلسفہ پر بھی بہت سارا کام کیا اس کے علاوہ اور بہت سارے موضوعات پر بھی کتب تحریر کیں۔

انسان کھانے پینے اور دوسری فطری تقاضوں میں حیوانوں کی طرح ہے۔جب وہ پیدا ہوتا ہے تو دودھ کے لیے چیخ وپکار کرتا ہے جب بڑا ہوتا ہے تو خوراک اور دوسری بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے زندگی میں جد وجہد کرتا ہے اور آسودہ زندگی گزارنا چاہتا ہے۔پھر مذہب اور اخلاق اس کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ انسانی خوبیاں پیدا کرے اور اچھے لوگوں کی طرح رہے شاہ ولی اللہؒ کا خیال ہے کہ انسان اگر غربت اور بدحالی کا شکار ہو تو دینی اور اخلاقی اقدار کو اچھی طرح سے ادا نہیں کر سکتا۔اس لئے انسان کی زندگی کا خوشحال ہونا ضروری ہے۔اگر وہ خوشحال ہے تو اس کی عادتیں اور مزاج بھی درست ہوں گے ۔ اخلاقی اور مذہبی لحاظ سے بھی وہ اچھا انسان ہو گا اور اچھے مضبوط انسانوں کی تمام خوبیاں اس میں موجود ہوں گی آپؒ کے خیال میں انسان کا سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ آیا معاشی لحاظ سے وہ خوشحال ہے یا بدحال ہے۔[1]

ا۔نظام زکوۃ، معاشی ترقی کا ذریعہ:

شاہ صاحبؒ کے نزدیک معاشی ترقی کا ایک اہم ذریعہ زکوۃ کا ادا کرنا ہے۔معاشرے کی فلاح وبہبود کے لئے ضروری ہے کہ دولت کی بہاؤ کا رخ دولت مندوں سے غریبوں کی طرف ہو عبادت کے رنگ میں اس کا مستقل انتظام زکوۃ کی صورت ہے زکوۃ کی برکت سے امیروں کی دولت غریبوں کی طرف منتقل ہوتی ہے اس کی حکمت کے بارے میں شاہ صاحبؒ یوں تحریر کرتے ہیں:

(وَيَجْهَرُ رسول الله بِاَنَّ مُنَافَعَهَارَاجِعَةٌاِلَيْهِم وَاِنَّمَا تُوخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰيْ فُقَرَاءِهِمْ عَلَيهِمْ وَتَقْرِيْبًا لَهُمْ مِنَ الخَيرِ اِنْقَاذاً لَهُم مِنَ الشَّرِّ) [2]

ترجمہ:نبی کریم ﷺ نے اعلانیہ طور پر فرمایا کہ زکوۃ کے تمام منافع افراد معاشرہ کے حق میں ہیں اور یہ زکوۃ اغنیاء سے لے کر فقراء کو دے دی جائے گی اور یہی طریقہ انہیں خیر کے قریب لے جانے والا ہے اور شر وفساد سے نجات دینے والا ہے۔

ا۔شاہ ولی اللہ کا معاشی نظریہ اور عصر حاضر میں اس کی افادیت، طفیل احمد قریشی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص:۱۱۵۔۱۱۴

۲۔ایضا

لہٰذا زکوۃ اور دوسرے صدقاتِ واجبہ جو مسلم معاشرے میں گردش سرمایہ کے موثر ذرائع ہیں ان کو منظم کرنا ریاستی ذمہ داری ہے جس سے معاشرہ میں موجود تفاوت اموال پر قابو پایا جاسکتا ہے اور اعتدال کی راہ مل سکتی ہے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ معاشرہ خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ اور خوشحال ہو جائے اور غربت کے خاتمے کے لیے کتنی ہی تدابیر بروئے کار لائی جائیں تب بھی اس میں نادار اور کسب سے محروم افراد رہ جاتے ہیں ان کی کفالت کے لیے اسلام نے مستقل عبادت کے رنگ میں "زکوٰۃ" کو رائج کر رکھا ہے زکوٰۃ دراصل دولت مندوں کے مال میں ڈھائی فیصد سالانہ شرح سے غرباء کا قانونی و آئینی حصّہ ہے پھر یہ زرعی زمین کی پیداوار، معدنیات، تجارتی اموال، کارخانوں کی پیداوار سب کو محیط ہے۔ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کی صورت میں حکومت طاقت بھی استعمال کر سکتی ہے اس ضمن میں خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سخت گیری مشہور ہے آپ نے تمام مصالح کو بالائے طاق رکھ کر مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنے کا اعلان فرمایا۔ یعنی اگر لوگ ناداروں کی ضروریات پوری کرنے میں کوتاہی برتیں اور ادائیگی زکوٰۃ کے معاملے میں سستی کا ارتکاب کریں تو حکومت کو جبر کا حق حاصل ہے۔

دور حاضر میں صاحب افراد کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو زکوۃ کی ادائیگی نہیں کرتی جس سے معاشرے میں بہت سے ضرورت مند افراد بنیادی سہولیات سے بھی محروم ہیں۔ زکوۃ کی ادائیگی سے مال امیروں کی جیب سے نکل کر غریبوں تک پہنچتا ہے جس سے دولت گردش کرتی ہے اور معاشرے میں خوشحالی آتی ہے جب صاحب استطاعت لوگوں کی بڑی تعداد زکوۃ ادا نہیں کرتی تو دولت کا بہاؤ رک جاتا ہے۔ حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو مجبور کرے کہ وہ اپنے مال سے زکوۃ کی ادائیگی کو ممکن بنائیں اور مانعین زکوۃ کے خلاف اقدامات عمل میں لائے جائیں تاکہ لوگ اس فرض کی ادائیگی میں سستی نہ کریں جس سے لوگوں کی فلاح وابستہ ہے۔

۲۔ معدنیات اور چراگاہیں معاشی ترقی کا ذریعہ:

شاہ صاحب ؒ کے نزدیک معاشی ترقی کا ایک اور اہم ذریعہ معدنیات اور چراگاہیں ہیں۔ شاہ صاحب ؒ معدنِ ظاہرہ کو ایک شخص کے حوالے کرنے کے خلاف ہیں وہ اس حوالے سے حمال ماربیؓ کا واقعہ یاد دلاتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نمک کی ایک بڑی کان عنایت فرمائی جب لوگوں نے بتایا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تو اسے ایک جاری چشمہ عنایت کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت حال کو جانتے ساتھ اس نمک کی کان کی واپسی کا حکم فرمایا اس طرح آپ نے بڑی اور عمومی چراگاہوں پر فردِ واحد کے قبضہ جمانے کو منع فرمایا:

شاہ صاحب ؒ کے فکری رجحان کا اندازہ اس طرح ہو جاتا ہے کہ وہ " عدل عمرانی " کے قیام کیلئے کوشاں رہے شاہ صاحب ؒ کے اس فکری رجحان کی تخلیق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بھی بیان فرماتے ہیں:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہنی نامی اپنے غلام کو سرکاری چراگاہ کا حاکم بنایا تھا آپ نے اس سے فرمایا: اے ہنی !لوگوں پر ظلم نہ کرنا اور مظلوموں کی بد دعا سے ڈرتے رہنا کیونکہ مظلوم کی بد دعا قبول ہوتی ہے اور چھوٹے چھوٹے اونٹ اور بکریوں کے گلہ والوں کو باڑھ میں چروانے دینا اور ابن عفانؓ اور ابن عوفؓ کے گلوں کو باڑھ میں غریب لوگوں پر مقدم نہ کرنا کیونکہ اگر ان کے مویشی ہلاک ہو جائیں گے تو پھر میرے پاس آکر امیر المومنین کہہ کر پکاریں گے تو کیا میں انہیں یونہی چھوڑ دوں گا؟ اس لیے پہلے ہی سے ان کے پانی چارے کا بندوبست کر لیا کرو۔“[۱]

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے ذرائع پیداوار خواہ ان کا تعلق معدن یا صنعتی وزرعی پیداوار سے ہو، جو دولت کے توازن کو معاشرے میں بگاڑ کا موجب بنے ان کو ایک یا چند افراد کے ہاتھ میں دینا ظلم ہے قدرت کی بخشی ہوئی نعمتیں تمام انسانوں کیلئے پیدا کی گئی ہیں ان کو ایک یا چند افراد کے ہاتھوں میں دینا مٹھی بھر انسان کو اقتصادی خوشحالی سے نوازنے اور مفاد عامہ کو ان کے ہاتھوں تباہ کرنے کے مترادف ہے۔لہذا ریاست کو ایسے ذرائع پر کڑی نظر رکھنی چاہیے۔اور ان کی تقسیم میں عدل کا پاس رکھنا چاہیے۔تاکہ کہیں بے اعتدالی پیدا نہ ہو اور معدن، زراعت کی پیداوار میں اضافہ کیا جائے تاکہ ملکی معیشت میں ترقی اور لوگوں کی زندگی میں خوشحالی آئے۔

۳۔آبپاشی معاشی ترقی کا ذریعہ:

شاہ صاحبؒ کے نزدیک معاشی ترقی کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ زمینوں میں آبپاشی کے نظام کو بہتر کیا جائے اور بنجر اور بے کار زمینوں کو کام میں لایا جائے۔پانی ایک قدرتی نعمت ہے اس نعمت سے سب کو حصہ ملنا چاہیے پانی کی تقسیم کے معاملے میں شاہ صاحبؒ ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ جس میں پانی کے ارتکاز کی مذمت کا پہلو سامنے آتا ہے اور تقسیم ماء میں عدل کا سبق ملتا ہے۔ضحاک بن خلیفہ نے نہر کی ایک شاخ مدینہ کے قریب وادی عریض سے نکالنا چاہی یہ شاخ محمد بن مسلمہؓ[۲] کی زمین میں سے ہو کر گزرتی تھی مگر محمد بن مسلمہؓ نے اس سے انکار کیا۔ضحاک بن حارثہ[۳] نے اس معاملے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بلا کر کہا کہ تم بھائی کے نفع میں رکاوٹ کیوں بنتے ہو حالانکہ اس میں تمہارا بھی فائدہ ہے تم بھی اس

۱۔حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، قدیمی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ۳۱۱/۲

۲۔(محمد بن مسلمہ عرب مسلمان اور صحابی تھے، غزوہ بدر میں شریک رہے۔قبیلہ اوس سے ان کا تعلق تھا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۲)

۳۔(ضحاک بن حارثہ بن زید بن ثعلبہ ان کی والدہ کا نام ہند بنت مالک بن عامر تھا۔یہ بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ۷۰ صحابہ میں شامل تھے۔(طبقات ابن سعد، ج:۲)

سے پانی لے سکو گے اور اس میں تمہارا کوئی حرج بھی نہیں پھر بھی انہوں نے انکار کیا۔اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم وہ نہر نکال کرلے جائے گا خواہ وہ تمہارے شکم کے اوپر سے کیوں نہ گزاری جائے۔[1]

ان واقعات سے معاملات میں تعاون باہمی سے کام لینے کا سبق ملتا ہے دوسرا یہ کہ آبپاشی کے ذریعہ سے فصلیں اچھی طرح تیار ہو جاتی ہیں اور پھر زراعت کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور معاشرے میں خوشحالی پیدا ہوتی ہے۔لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہوتی ہونے لگتی ہے اور ملکی معیشت میں ترقی ہوتی ہے۔ محمد بن مسلمہ کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت جسے پانی کی ضرورت تھی اسے پانی پہنچایا گیا اور یہی حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو بنیادی ضروریات کی فراہمی کو ممکن بنائے۔اس کے برعکس بڑے جاگیردار اور اثرورسوخ والے افراد جن کو وافر مقدار میں سہولیات میسر ہیں لیکن وہ اپنے اثرورسوخ کا استعمال کر کے چھوٹے کسانوں اور غریب افراد کے حق پر بھی ڈاکہ ڈالتے ہیں خصوصا پانی کی تقسیم میں ناانصافی سے کام لیتے ہوئے غریب کسان کو نقصان پہنچاتے ہیں جس سے کسانوں کو فصلوں کی پیداوار میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت ایسے افراد کے خلاف اقدامات کرے تاکہ کسی فرد کے نفع میں رکاوٹ پیدا نہ ہوسکے اور کسان اچھی فصلیں تیار کر کے ملکی معیشت میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔

۴۔معاش اور معاشرہ میں باہمی ربط:

۱. معاشرے کی ترقی کے لئے انسانوں کو معاشی طور پر خوشحال ہونا ضروری ہے۔
۲. اگر لوگ خوشحال نہیں ہونگے تو وہ مذہب اور اخلاق کے ضابطوں کی پابندی نہیں کر سکیں گے اور معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔اس لئے لوگوں کی خوشحالی کا مطلب ہے ایک صالح اور نظریاتی معاشرے کا قیام۔
۳. خوشحال معاشرے کی پہلی بات یہ ہے کہ لوگوں کی بنیادی ضرورتیں آسانی سے اور صحیح طور پر پوری ہوں۔[2]

خوشحال معاشرے کے بنیادی معاشی اصول:

ا۔دولت کی پیداوار کے لئے جب افراد مختلف معاشی اداروں (زراعت، صنعت، تجارت) سے وابستہ رہتے تو ان میں کوئی "مالک" ہوگا نہ "مزدور" اور نہ "کسان" ۔ یہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ "معاہدہ معاشی" میں بندھے ہوتے ہیں۔ایک فریق اگر دوسرے کے حقوق کا خیال نہ کرے یا کسی بھی ذریعے سے ظلم کرے تو دوسرے کو حق ہوگا کہ وہ اس معاہدے سے الگ ہو جائیں اور ایسا نظام بنائیں یا معاشی اداروں کو اس طرح تربیت دیں جس سے آئندہ ظلم نہ ہو سکے۔

ا۔شاہ ولی اللہ کا معاشی نظریہ اور عصر حاضر میں اس کی افادیت، طفیل محمد قریشی، ص:۱۱۷

۲۔حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ، ۲/۳۱۱

۲۔ اس معاشی معاہدے کے نظام کی بنیاد "اصول معاونت" ہے۔ امداد باہمی کے اس اصول کے مطابق معاشی اداروں میں کام کرنے والے اور کرانے والے ایک دوسرے کے معاون ہیں۔

زراعت میں مزارعت، مخابرت، مفاوضت اور شرکت الوجوہ وغیرہ بہترین صورتیں ہیں۔ صنعت میں ان صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو لیا جاسکتا ہے۔ (۱)

مزارعت:

(المزارعة:أن تكون الأرض و البذر لواحد، والعمل والبقرمن الاخر) (۲)

ترجمہ: مزارعت سے مراد زمین اور بیج ایک فرد کے ہوں جبکہ محنت اور بیل دوسرے کے ہوں۔

مخابرۃ:

مخابرۃ کے بارے میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

(المخابرة:أن تكون الارض لواحد ، والبذز والبقر والعمل من الاخر ونوع اخر يكون العمل من أحد هما والباقِي من الاخر) (۳)

ترجمہ: مخابرۃ یہ ہے کہ زمین ایک فرد کی ہو اور بیج، بیل اور محنت دوسرے کی، جبکہ دوسری صورت یہ ہے کہ محنت ایک کی اور باقی چیزیں دوسرے کی ہوں۔

شرکۃ الصنائع:

شرکۃ الصنائع سے مراد ایک ہی پیشے کے دستکاروں کا ایک صنعتی ادارہ ہو اسی طرح مختلف صنعتی ادارے قائم ہوں ان کے لئے سرمایہ مہیا کیا جائے اور پھر منافع ان دستکاروں میں برابر تقسیم کر دیا جائے صنعت کا یہ طریقہ "شرکت الصنائع" کہلاتا ہے چونکہ یہ طریقہ عمرانی عدل کے زیادہ قریب ہے۔ لہذا اس سے خوش حال معاشرے کی امید لگائی جاسکتی ہے۔ (۴)

معاشرے میں معاونت (باہمی امداد) کے اس اصول کو اس طرح رائج کیا جائے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے لئے معاشی تنگی کا باعث نہ بننے پائے اور ہر شخص خوش حال زندگی بسر کر سکے۔ ایسے معاشی اداروں کو جڑ

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ، ۲/ ۳۱۱

۲۔ ایضا، ۱۱۷

۳۔ ایضا، ۱۱۷

۴۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ، ۲/ ۳۲۱

سے ختم کرنے کی ضرورت ہے جن میں "دولت کی پیدائش" بغیر محنت کے ہو جس کے ذریعے دولت کا چند ہاتھوں میں جانے کا موقع ملے یا جن کے ذریعے دولت کو ذخیرہ کیا جا سکے۔ معاشی استحکام اور صحیح معاشی نظام کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے لئے خود کمائے اور کوئی نہ کوئی کام کرے اور دوسروں پر بوجھ نہ بنے۔[1] بغیر محنت کے حاصل ہونے والی دولت کے ذرائع کے خاتمے کے لیے سود کی لعنت کو ختم کرنے کی بھی اشد ضرورت ہے کیونکہ اس ذریعہ سے ایک فرد اپنی رقم کی ایک چھوٹی سی مقدار کسی ایک فرد کو دے کر اس پر بغیر کے بہت سارو پیہ وصول کرتا ہے جو کہ جائز نہیں اسی طرح جوا، اور گداگری بھی اسی اقسام کے پیشے ہیں جہاں بغیر محنت کے دولت حاصل کی جاتی ہے ضروری ہے کہ ایسے پیشوں کو فروغ دیا جائے جس میں ہر فرد کو اپنی صلاحیت کے مطابق محنت کرنے اور دولت کمانے کے مواقع حاصل ہوں تاکہ ایک مضبوط اور بہتر نظام معیشت کا قیام عمل میں آسکے۔

۵۔ اوقاف اور معاشی ترقی:

اوقاف سے مراد وہ مال، زمین، عمارات اور چشمے اور کنویں وغیرہ ہیں جن کے منافع عام مسلمانوں کے مشترکہ مفاد کے لئے استعمال ہوں اور کسی ایک شخص کی ملکیت نہ بن سکیں شاہ صاحبؒ نے اس ضمن میں عہدِ فاروقی میں پیش آنے والے واقعہ کو نقل کیا اور استدلال کیا کہ شام و عراق کی زمینوں کو چند اشخاص کی ملکیت میں رہنے کی بجائے تمام مسلمانوں کے انتفاع کے لئے وقف کرنا ہی عدل تھا۔ شاہ صاحبؒ اس نکتہ کو زور دے کر واضح کرتے ہیں کہ اس طریق تقسیم دولت کے بہاؤ کا رخ غریبوں اور نادار لوگوں کی طرف ہو جائیگا۔ واقعہ کے آخری الفاظ یہ ہیں:

(فَإذَا قُسِمَتْ اَرْضُ الْعِرَاقِ بِعُلُوجِها وَاَرْضُ الشَّامِ بِعُلُوجِها فَمَا يَسُدُّ بِهِ التَّغُوْرُوَمَا يَكُونُ لِلذُّرِّيَةِ وَالْاَوَامِلِ لِهٰذَا البَلَدِ وَغَيْرَذٰلِکَ)[2]

ترجمہ: پس جب عراق و شام کی یہ اراضی مال غنیمت کے طور پر تقسیم کر دی گئی تو سر حدات کی حفاظت کس مال سے کی جائے گی اور شہروں کے محتاجوں اور بیوہ عورتوں کی کفالت کہاں سے کی جا سکے گی۔

اس سے ثابت ہوا کہ زمین کے وقف سے مقصود بھی مفاد عامہ کا تحفظ ہی ہے۔

۶۔ اُصولی پیشے:

اکتسابِ معاش کے لئے اصل پیشے یہ ہیں: کھیتی باڑی کرنا، گلہ بانی اور چوپانی یعنی مال مویشی اور بھیڑ بکریوں

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ، ۲/۳۲۱

۲۔ شاہ ولی اللہ کا معاشی نظریہ اور عصرِ حاضر میں اس کی افادیت، حسین محمد قریشی، ص:۱۱۷

پالنا، وہ چیزیں جو خشکی اور تری میں غیر مملوک طور پر پائی جاتی ہیں خواہ وہ معدنیات کی قسم سے ہو یا انکا تعلق نباتات یا حیوانات سے ہو، اپنے قبضہ میں لے آنا۔ نیز وہ صنعتیں جن کے عام طور پر پائے جانے والے مواد میں تصرف کر کے مواد کو اس قابل بنا دیا جاتا ہے کہ ان سب ارتفاقات میں مدد ملے اور انسان کے لوازم حیات پورا کرنے کے لئے وہ چیزیں کام آئیں۔ مثلاً بڑھئی اور لوہار کا پیشہ اور کپڑا بُننا وغیرہ ان پیشوں میں دوسرے درجے پر تجارت کی اہمیت ہے۔ تمدن میں جس قدر وسعت ہوگی اس قدر یہ بھی ایک پیشہ شمار ہونے لگا کہ آدمی نظام تمدن کو بہتر طریقے پر قائم رکھنے میں مدد دے۔ رفتہ رفتہ کسب اور پیشہ کے مفہوم میں اور زیادہ وسعت ہوئی اور ہر ایک ایسی جدوجہد کو پیشہ کہنے لگا جس سے نوعِ انسانی کی ضروریاتِ زندگی میں سے کوئی ضرورت پوری ہوتی ہو۔ بالفاظِ دیگر اس سے تمدن کی تکمیل ہوتی ہو اور اجتماعی زندگی بسر کرنے میں اس سے سہولت پیدا ہوتی ہو۔ اس کے بعد جیسے جیسے تمدن نے ترقی کی اور نفاست پسندی اور عیاشی کی خواہش لوگوں پر غالب آئی تو اس بناء پر بھی کئی ایک پیشے اور صنعتیں ظہور میں آئیں۔ (۱)

۷۔ تعلیم، معاشی ترقی کا ذریعہ:

تعلیم ہی وہ بنیاد ہے جس پر کسی معاشی ترقی کا انحصار ہے شاہ صاحب افراد معاشرہ کے لیے تماعلوم (خواہ مادی ہوں یا روحانی) حاصل کرنے کو نہ صرف ضروری سمجھتے ہیں بلکہ خلیفہ کے لیے پورے ملک میں تعلیم کے اہتمام کو واجب قرار دیتے ہیں۔ بنیادی تعلیم کے لیے تمام شہروں میں مدارس کا قیام اور اساتذہ کی تقرری کو ریاست کی ذمہ داری سمجھتے ہیں حکومت کے ساتھ عوام کو بھی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اعلیٰ علوم سیکھیں، ان میں مہارت حاصل کریں اور علوم کے ذریعے ترقی کے راستے تلاش کریں وہ لکھتے ہیں کہ:

((واھل البلدعلی اکتساب الفضائل کالخط والحساب والتاریخ والطب والوجوہ الصحیحۃ من تقدمۃ المعرفۃ)) (۲)

ترجمہ: اہل شہر کو ترغیب دی جائے کہ ایسا نظام بنایا جائے کہ وہ اعلی علوم حاصل کریں، جیسے لکھائی پڑھائی، حساب، تاریخ، طب اور علوم کی ترقی کے صحیح طریقے دریافت کریں۔

فکر شاہ ولی اللہ کے مطابق دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم، قدیم وجدید جو انسانی معاشرے کی ترقی کا ذریعہ ہیں ان کو حاصل کرنا عوام کی ذمہ داری ہے حکومت کا فرض ہے کہ ایسے ادارے اور مواقع فراہم کرے تاکہ

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ دہلوی، ۱/۱۸۳

۲۔ ایضا، ۱/۹۳

لوگ جدید علوم حاصل کر سکیں۔ فکر شاہ صاحب کی روشنی میں علم کے بارے میں دیے گئے لائحہ عمل پر عمل کرنے سے ملک پاکستان ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

۸۔ منصفانہ نظام احتساب، معاشی ترقی کا ذریعہ:

ایک اعتبار سے تو ہر مسلمان محتسب ہے رسول اللہ ﷺ خود بازار کا معائنہ کرتے ہوئے احتساب کرتے شاہ صاحب کسی بھی ملک کی بدحال معیشت کو بحال کرنے کے لیے ایک قابل عمل اور موثر اصول مسلسل احتساب کا پیش کرتے ہیں جس میں قانون کی خلاف ورزی، بددیانتی اور فرائض میں غفلت پر سزا دینے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ اسی طرح ملازمین اور حکومتی حکام کی اعلیٰ کارکردگی پر ان کی حوصلہ افزائی کرنا حکمرانوں کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔[۱]

فکر شاہ ولی اللہ کی روشنی میں اگر حکومت اہل کاروں سے لے کر افسران تک، عوام سے لے کر حکمرانوں تک تمام افراد کا احتساب کرے اور جرم ثابت ہونے پر سزا دے تو اس سے نہ صرف بددیانتی، خیانت، فرائض سے غفلت اور قانون شکنی ختم ہو سکتی ہے بلکہ ان بداخلاقیوں کی وجہ سے جو معاشی مسائل پیدا ہو رہے ہیں ان کا خاتمہ بھی یقینی ہے۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ دہلوی، ص:۹۵

خلاصہ بحث:

اس فصل میں امام ابو یوسف اور شاہ ولی اللہ کے معاشی افکار کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ان بنیادوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو کسی بھی ملک کی معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے جن میں عدل و انصاف کی حکمرانی سر فہرست ہے کیونکہ معاشی ترقی اور عدل و انصاف آپس میں ایک دوسرے لے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ دوسرا پہلو جس پر امام ابو یوسف زور دیتے ہیں وہ انفرادی حق ملکیت کی حفاظت ہے ان کے نظریے کے مطابق ہر فرد کی ملکیت کی حفاظت ہونی چاہیئے جو کہ ریاست کی ذمہ داری ہے امام ابو یوسف نے معاشی ترقی کے لیے چند تجاویز پیش کیں جن میں سب سے پہلے ترقیاتی اسکیموں کا اجراء جس کے تحت آبپاشی کے لیے نہروں کی تعمیر نو، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور زراعت و تجارت کے شعبوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ کہ اس سے افراد کی معاشی خوشحالی وابستہ ہے معاشی خوشحالی کے لیے دیہی و شہری علاقوں کے درمیان روابط کے لیے خستہ حال راستوں کی تعمیر کی جائے۔ امام ابو یوسف مصارف زکوۃ میں ایک اور مصرف کا اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زکوۃ کا ایک حصہ مسلمانوں کی سڑکوں کی تعمیر میں مختص کیا جائے۔ امام ابو یوسف کی رائے میں امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو اللہ کے مقرر کردہ مصارف میں سے جس پر چاہے خرچ کرے اور مناسب سمجھے تو زکوۃ کا تمام مال کسی ایک مصرف پر بھی خرچ کر سکتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کے معاشی افکار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ شاہ صاحب کے نظریات کو دیکھا جائے تو آپ کے نزدیک معاشی ترقی کا ایک اہم جز زکوۃ ہے کیونکہ معاشرے کی فلاح اس بات میں مضمر ہے کہ دولت کا رخ امیروں سے پھیر کر غریبوں کی طرف کر دیا جائے۔ اسی طرح معاشی ترقی کا ایک ذریعہ معدنیات اور چراگاہیں بھی ہیں شاہ صاحب معدن ظاہرہ کو ایک فرد کی ملکیت میں دینے کے مخالف ہیں آپ کے نظریے کے مطابق ریاست کو ذرائع پیداوار کی تقسیم میں عدل سے کام لینا چاہیئے تاکہ لوگوں کی زندگی میں خوشحالی آئے۔ شاہ صاحب زراعت کو معاشی ترقی کا اہم ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پانی اور آبپاشی کے نظام کو بہتر کیا جائے اور بے کار و بنجر زمینوں کو کام میں لایا جائے اس سے پانی کے ارتکاز کی مذمت کا پہلو بھی اجاگر ہوتا ہے۔ آپ کے نزدیک معاش و معاشرے میں باہمی ربط ہونا ضروری ہے تاکہ لوگوں کی بنیادی ضرورتیں باسانی پوری ہوسکیں۔ شاہ صاحب مزارعت، مخابرہ اور شرکتہ الصنائع جیسے اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وسائل کو کام میں لانے سے چند پیشے بنتے ہیں جس سے تمدن کی تکمیل ہوتی ہے اور اجتماعی زندگی بسر کرنے میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔

فصل سوم

مسلم و غیر مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کا تقابلی جائزہ

فصل سوم:

مسلم وغیر مسلم ماہرین معاشیات کی آراء کا تقابلی جائزہ

مسلم وغیر مسلم ماہرین معاشیات کی آراء الگ الگ بیان کرنے بعد اس فصل میں ماہرین معاشیات کی آراء کا تقابل کیا جارہاہے کہ اسلام معاشی ترقی کو کس طرح سے دیکھتاہے اور غیر مسلم کے ہاں معاشی ترقی کا کیا تصور ہے۔

ا۔ سرمایہ داری اور سود:

ایڈم سمتھ کے ہاں معاشی ترقی کے لئے سرمایہ کا ہوناضروری ہے۔اور سرمایہ پر سود اداکرناضروری ہے جس کی وجہ سے لوگ سرمایہ کی زیادہ مقدار معاشی سرگرمیوں میں لگانے پر تیار ہوں اور معاشی ترقی ہوسکے۔ سرمایہ دارانہ نظام معیشت اپنی فطرت کے لحاظ سے اکتناز وارتکاز یعنی وسائل معاش کے چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جانے کا رجحان رکھتاہے۔اس نظام کے تحت افراد کو جو معاشی آزادی حاصل ہوتی ہے وہ بہت سرعت سے معاشی اجارہ داریوں کے معرض وجود میں آنے کا باعث بنتی ہے۔یہ اجارہ داریاں وسیع پیمانے پر ملکی سطح پر اور بالاخر بین الاقوامی سطح پر انسانوں کے معاشی استحصال کے منظم اداروں کی صورت اختیار کر جاتی ہیں۔سود ان اجارہ داریوں کے سامنے لانے اور ان کے دائرہ اثر کو وسعت دینے میں معاون ہے۔سود کی موجودگی میں ایک خاص مقدار میں شرح مقرر کی جاتی ہے جو کہ نفع یا نقصان دونوں صورتوں میں اداکرنالازم ہوتی ہے۔[1] اس طرح سود ہی کا لالچ ان کو اس بات پر بھی آمادہ کرتا رہتاہے کہ اپنی پس انداز کی ہوئی رقموں کو بیکار نہ ڈال رکھیں بلکہ کاروباری لوگوں کے حوالہ کردیں اور ایک مقرر شرح کے مطابق سود وصول کرتے رہیں۔اس دروازے کو بند کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نہ صرف روپیہ جمع کرنے کا ایک اہم ترین محرک غائب ہو جائے بلکہ جو تھوڑا بہت سرمایہ جمع ہو وہ بھی کاروبار میں لگنے کے لیے حاصل نہ ہوسکے۔ سود صرف یہی نہیں کرتا کہ سرمایہ جمع کراتا اور اسے کاروبار کی طرف کھینچ کرلاتاہے بلکہ وہی اس کے غیر مفید استعمال کو روکتا بھی ہے۔

معاشی ترقی میں سرمایہ دارانہ نظام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ سرمایہ کی تخلیق وتشکیل اور پیشہ وارانہ حرکت پذیری کا دارومدار اسی پر ہے۔تمام پیداواری شعبوں کی رگوں میں خون سود کی نالیوں کے ذریعے پہنچتاہے اور پھر ان ہی سودی نالیوں کے ذریعے عامۃ الناس کی محنت سے پیدا ہونے والی آمدنیاں بڑے بڑے سرمایہ داروں اور سودخوروں کی تجوریوں میں جمع ہوتی ہیں جنہیں وہ مزید سودی قرضوں پر دے کر لوگوں کی آمدنیوں کو مسلسل اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں دولت کی امیروں سے غریبوں کی طرف منتقلی کا کوئی موثر

---

1. The Wealth of Nation, Adam Smith,P:55

داخلی نظام موجود نہیں۔ صرف خارجی طور پر محصولات کے ذریعے ہی وسائل اصحاب ثروت سے لے کر محروم وسائل طبقات تک پہنچائے جاسکتے ہیں لیکن محصولات کا ایک حد تک ہی نفاذ عمل میں لایا جاسکتا ہے۔مزید برآں سرمایہ دار طبقات مختلف حیلوں سے محصولات کے بوجھ سے بالعموم بچ نکلتے ہیں اور یوں اس نظام میں آمدنیوں کا نمایاں تفاوت ہر وقت موجود رہتا ہے جو بڑھتے بڑھتے ملکی معیشت کو کساد بازاری اور ہمہ گیر بے روز گاری کے چکر میں پھنسا دیتا ہے۔

اس کے برعکس شاہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

اسلام کے نظام معیشت میں سود کی قطعی طور پر ممانعت کر دی گئی ہے اس طرح محض سود کے بل بوتے پر پیدا ہونے والے مسائل کا سدباب کر دیا گیا ہے۔ اسلام سود کے بجائے نفع کمانے کا درس دیتا ہے جو کہ اسلامی نظام معیشت اکتساب رزق کی جدوجہد کو حلال ذرائع کا پابند بنا کر دولت کے چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جانے کے امکانات کو بالکل محدود کر دیتا ہے۔[1] اسلام دولت کے حصول میں کی جانے والی ان تمام سرگرمیوں کی ممانعت کرتا ہے جو معاشی اجارہ داریوں کے معرض وجود میں آنے کا سبب بنیں۔اسی طرح اسلام دولت کے صرف پر پابندیاں عائد کر کے بھی لوگوں کی حصول زر کی ہوس کو کمزور کر دیتا ہے، وہ افراد کو رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر دولت مندوں کی فلاح وبہبود کے لیے خرچ کرنے پر ابھارتا ہے اور زکوۃ وصدقات اور قانون وراثت کے ایک منظم طریق کار کے ذریعے دولت کی منصفانہ تقسیم کرتا ہے۔

۲۔ نظریہ قدر زائد:

نظریہ قدر زائد سے مراد محنت کش کی پیدا کی گئی قدر کا وہ حصہ جو سرمایہ دار کے لیے نفع تخلیق کرتا ہے اسے "قدر زائد" کہتے ہیں۔

کارل مارکس کے نزدیک نظریہ قدر زائد یہ ہے کہ ایک مزدور ہے وہ محنت اور مشقت سے کام کرتا ہے، مزدور کی محنت اور لگن زیادہ ہوتی اور جب نفع ہوتا ہے تو وہ سارا نفع مالک لے جاتا ہے۔کارل مارکس کہتا ہے کہ مزدور کو سارا نفع دیا جائے کیونکہ مزدور کی محنت زیادہ ہوتی ہے اور مالک کا اس محنت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے۔[2] کارل مارکس اور ایڈم سمتھ کا نظریہ شدت اور غلوّ پر مبنی ہے۔

جبکہ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ اسلام افراط و تفریط سے پاک ہے اسلام میں نہ تو یہ ہے کہ سارے کا سارا مال مزدور کو دے دیا جائے یا پھر سارے کا سارا مال مالک کو دے دیا جائے۔ بلکہ اسلام اعتدال اور مساوات کا درس دیتا

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہؒ، ص:۲۰۱

2. Scoial Theory For Beginners,Paul rensome ,P:52

ہے کہ مزدور کو اسکی محنت اور مشقت کے اعتبار سے مال دیا جائے اور باقی مال مالک لے لے۔ مالک کا حق اسلئے بھی زیادہ ہے کہ اس نے سرمایہ لگایا ہے۔

۳۔ ٹیکس:

اگر کسی ملک نے معاشی خوشحالی حاصل کرنی ہے تو اسے اپنی پیداواری صلاحیتوں میں اضافہ لانا ہو گا۔ اگر ٹیکس ہوں گے تو کاروباری سرگرمیوں میں نفع زیادہ ہو گا اور معیشت پھلے پھولے گی، معیشت میں ترقی سے حکومت کو مجموعی طور پر زیادہ ٹیکس ملے گا جس سے ترقیاتی اخراجات میں اضافہ ہو گا۔ یوں مزید پیداوار سے مزید خوشحالی جنم لے گی۔ سمتھ کے نزدیک معاشی ترقی کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ ٹیکس وصول کئے جائیں۔ سمتھ نے ٹیکس عائد کرنے کے چار ضوابط تحریر کئے ہیں۔

۱۔ اصول مساوات

۲۔ اصول تیقن

۳۔ اصول سہولت

۴۔ اصول کفایت

اصول مساوات سے مراد یہ ہے کہ ذاتی حیثیت کے مطابق ٹیکس دے۔ جس شخص کی آمدنی زیادہ ہو وہ زیادہ ٹیکس ادا کرے اور جس کی آمدنی کم ہو وہ کم ٹیکس ادا کرے۔ اصول تیقن سے مراد یہ ہے کہ ٹیکس دہندہ کو علم ہونا چاہیئے کہ اس نے ٹیکس ادا کرنا ہے، کب کرنا ہے اور کہاں ادا کرنا ہے۔ اصول سہولت سے مراد یہ ہے کہ ٹیکس ادا کرنے والا اسے بوجھ تصور نہ کرے۔ مثلاً زمین دار سے اس وقت ٹیکس وصول کیا جائے جب فصل تیار ہو چکی ہو۔ جبکہ اصول کفایت کا مطلب یہ ہے کہ ٹیکس وصولی کا نظام اس طرح کا ہونا چاہیئے کہ کم روپیہ خرچ کر کے زیادہ ٹیکس وصول کیا جاسکے۔[1]

جبکہ اسلامی نقطہ نظر میں ٹیکس کا تصور موجود نہیں ہے اگر ہم رسول اللہؐ کے دور مبارک کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اسلامی ریاست میں زکوۃ کے نفاذ کے سوا کسی قسم کا کوئی ٹیکس عائد نہیں کیا گیا تھا۔ اور اسلامی ریاست دیگر اخراجات کے لیے زیادہ تر رضاکارانہ عطیات پر انحصار کرتی تھی حتیٰ کہ اسلامی ریاست میں ایسا بھی ہوا کہ بھوک اور عوامی ضروریات کی انتہا کے وقت بھی ایسا کوئی اقدام نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ رسول اللہؐ اور آپؐ کے صحابہ نے اپنے پیٹوں پر بھوک کی وجہ سے پتھر باندھے۔ اہل صفہ جو مسجد نبوی میں دین اسلام کی تعلیم کے لیے ہمہ وقت مصروف رہتے تھے ان کی مدد کے لیے بھی کوئی ٹیکس عائد نہیں کیا گیا۔ احادیث میں ٹیکس کے لیے مکس کا لفظ استعمال ہوا

1.The wealth of nation, Adam Smith , P:10

ہے۔ ٹیکس وصول کرنے والے کو الماکس یا المکاس کہا جاتا تھا۔ جو زمانہ جاہلیت میں لوگوں سے زبردستی ٹیکس لیا کرتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے ایسے ٹیکس وصول کرنے کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((اِنَّ صَاحِبَ الْمَكْسِ فِي النَّارِ))(۱)

ترجمہ: بے شک صاحب المکس جہنم میں ہو گا۔

خلفاء راشدین کا دور: (عشور وزکوۃ کا جائزہ)

چاروں خلفاء راشدین کے ادوار میں بھی ہمیں ٹیکسوں کے نفاذ کی کوئی شکل سوائے مال تجارت پر عشور کے نظر نہیں آتی۔ عشور کا نفاذ عہد فاروقی میں ہوا جو کہ مسلمانوں سے سال میں ایک مرتبہ 2.5 فیصد کے حساب سے وصول کیا جاتا تھا۔ جبکہ ذمیوں سے پانچ فیصد اور اہل حرب سے دس فیصد۔ ایسا بھی اس لیے کیا جاتا تھا کہ دوسرے ممالک میں مسلمان خواتین تجار سے ایسا ٹیکس ہر مرتبہ وصول کیا جاتا تھا۔

دوسری مثال خراج کی وصولی کی ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ملک عراق اور شام کو فتح کرنے کے بعد وہاں کی زمین کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کی بجائے اصل مالکین کے حوالے کر دیا اور تمام زمینوں پر ٹیکس لاگو کر دیا۔ یہ اسلامی ریاست کے لیے ایک مستقل ذریعہ آمدنی بھی بن گیا اور آئندہ نسلوں کے لیے اثاثہ بھی۔ خراج کی شرح بھی مستقل نہ رکھی گئی بلکہ اسلامی ریاست اس میں ردوبدل کر سکتی تھی۔ خراج کی وصولی بھی غیر مسلموں سے کی جاتی تھی جبکہ مسلمانوں سے عشر وصول کیا جاتا تھا۔ شروع کے فقہاء کی تحریروں میں ہمیں ٹیکسوں سے متعلق بحثیں نہیں ملتیں کیونکہ غیر محصولاتی وسائل کی زیادتی کی وجہ سے محصولات یعنی ٹیکسوں کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی۔

ٹیکس شاہ صاحب کی نظر میں:

شاہ صاحبؒ ٹیکس کے مقابل میں نظام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ معاشرتی فلاح و کامرانی کے لیے لازم ہے کہ دولت کی بہاؤ کا رخ دولت مندوں سے غریبوں کی طرف ہو۔ اس کا مستقل انتظام زکوۃ کی صورت ہے زکوۃ کی برکت سے سے امیروں کی دولت غریبوں کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اس کی حکمت کے بارے میں شاہ صاحبؒ یوں تحریر کرتے ہیں:

(وَيَجْهَرُ بِاَنَّ مُنَافِعَهَا رَاجِعَةٌ اِلَيْهِم وَاِنَّمَا تُوخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰي فُقَرَاءِهِمْ عَلَيهِمْ وَتَقْرِيْبًا لَهُمْ مِنَ الخَيرِ اِنْقَاذاً لَهُم مِنَ الشَّرِّ) (۲)

۱۔ مسند احمد، امام احمد بن حنبل، ۴/ ۱۰۹

۲۔ شاہ ولی اللہ کا معاشی نظریہ اور عصر حاضر میں اس کی افادیت، طفیل احمد قریشی، ص: ۱۱۵۔ ۱۱۴

ترجمہ: حضور ﷺ نے صاف اعلان کیا کہ زکوۃ کے تمام منافع افراد معاشرہ کے حق میں ہیں اور یہ زکوۃ اسی معاشرے کے مالداروں سے وصول کر کے انہی کے فقراء کو لوٹائی جائے گی۔ اور یہی طریقہ انہیں خیر کے قریب لے جانے والا ہے اور شر وفساد سے نجات دینے والا ہے۔

لہٰذا زکوۃ اور دوسرے صدقاتِ واجبہ جو مسلم معاشرے میں گردش سرمایہ کے موثر ذرائع ہیں ان کو منظم کرنا ریاستی ذمہ داری ہے جس سے معاشرہ میں موجود تفاوت اموال پر قابو پایا جاسکتا ہے اور اعتدال کی راہ مل سکتی ہے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ معاشرہ خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ اور خوشحال ہو جائے اور غربت کے خاتمے کے لیے کتنی ہی تدابیر بروئے کار لائی جائیں تب بھی اس میں نادار اور کسب سے محروم افراد رہ جاتے ہیں ان کی کفالت کے لیے اسلام نے مستقل عبادت کے رنگ میں "زکوٰۃ" کو رائج کر رکھا ہے زکوٰۃ دراصل دولت مندوں کے مال میں ڈھائی فیصد سالانہ شرح سے غرباء کا قانونی وآئینی حصّہ ہے پھر یہ زرعی زمین کی پیداوار، معدنیات، تجارتی اموال، کارخانوں کی پیداوار سب کو محیط ہے۔ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کی صورت میں حکومت طاقت بھی استعمال کر سکتی ہے اس ضمن میں خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سخت گیری مشہور ہے آپ نے تمام مصالح کو بالائے طاق رکھ کر مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنے کا اعلان فرمایا۔ یعنی اگر لوگ ناداروں کی ضروریات پوری کرنے میں کوتاہی برتیں اور ادائیگی زکوٰۃ کے معاملے میں سستی کا ارتکاب کریں تو حکومت کو جبر کا حق حاصل ہے۔

۴۔ مرتکز منصوبہ بندی:

کارل مارکس کے نزدیک معاشی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ملکی سطح پر حکومت کو چاہیے کہ وہ ایسا منصوبہ تیار کریں جس میں ایسی منصوبہ بندی کی جائے کہ اس منصوبہ بندی سے لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہو سکے اور ملکی معیشت میں بھی اضافہ ہو سکے۔ ملکی سطح پر ایک ادارہ قائم کیا جائے جو منصوبہ بندی کرے اور اس کو ملک میں نافذ بھی کر دے اور یہ فیصلہ خود کرے کہ سال میں کتنی مقدار میں کاشت کاری کرنی ہے، کیا کاشت کرنا ہے اور کس کس علاقے میں کیا کاشت کرنا ہے۔ اسی طرح سے صنعت کے بارے میں یہ ادارہ منصوبہ بندی کرے کہ کہاں کہاں نئی صنعت لگانی ہے اور کس چیز کی صنعت لگانی ہے۔[1] اس طرح سے کارل مارکس کے نزدیک معاشی ترقی میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلام مرتکز منصوبہ بندی کا مخالف نہیں مگر وہ آزادی کو بھی سلب نہیں کرتا بلکہ اجتماعی ترغیبات سے اہداف کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔

۱۔ داس کیپیٹل، کارل مارکس، ۲/ ۴۱۲

اسلام کا نظریہ ملکیت (ذاتی ملکیت):

سید ابوالاعلی مودودی فرماتے ہیں کہ اسلام تمام دوسری ملکیتوں کی طرح زمین پر انسان کی شخصی ملکیت تسلیم کرتا ہے۔ جتنی قانونی شکلیں ایک چیز پر کسی شخص کی ملکیت قائم و ثابت ہونے کے لئے مقرر ہیں ان ساری صورتوں کے مطابق زمین بھی اسی طرح ایک آدمی کی ملکیت ہو سکتی ہے جس طرح کوئی دوسری چیز۔[1]

ملکیت عربی کا لفظ ہے جس کا اصل مادہ "مِلک" ہے جو اپنے اندر ملکیت رکھنے کے معنی لیے ہوئے ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی شخص کے لئے کسی شے کا حقِ قبضہ اور حقِ تصرف ہو جانا ملکیت کہلاتا ہے اور یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ دنیا کے ہر نظامِ معیشت میں "تصورِ ملکیت" کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ اسلام تمام تر حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے اسی لئے اس ضمن میں درج ذیل حقائق کی نشاندہی کرتا ہے۔[2]

ملکیتِ خداوندی:

دینِ اسلام میں سب سے پہلے یہ واضح حقیقت بیان ہوئی کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی ملکیت و تصرف میں ہے۔ یہاں تک انسان کی معاش کے وسائل جس پر اس کا رزق منحصر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ﴾[3]

ترجمہ: بھلا یہ بتاؤ جو تم کاشت کرتے ہو۔ تو کیا اس (سے کھیتی) کو تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم حیران اور نادم رہ جاؤ ہم پر تو تاوان پڑ گیا۔

ملکیتِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ملکیتِ مجازی جو امانت کے درجے میں ہے وہ انسان کے پاس ہے۔ اسلامی معیشت میں ذاتی ملکیت کے حق کو جائز تسلیم کیا گیا اگر سوشلزم کی طرح ذاتی ملکیت نجی کاروبار حصّولِ جائیداد و غیرہ پر پابندی لگا دی جاتی ہے تو افراد کی شخصی آزادی ختم ہو جاتی ہے ذاتی منفعت نہ ہونے کی وجہ سے ذاتی دلچسپی باقی نہیں رہتی اور وسائل کا استعمال پوری طرح نہیں ہو پاتا ذاتی صلاحیتوں کو زنگ لگ جاتا ہے اور معاشرہ کے ترقی کی منزلوں پر پہنچنے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو پاتا۔ پس اسلامی معیشت ذاتی ملکیت کا حق دینے کے ساتھ ساتھ یہ پابندی لگا دیتی ہے کہ یہ ملکیت کسی قسم کے ناجائز ذرائع سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔

۱۔ اسلام اور جدید معاشی نظریات، سید ابوالاعلیٰ مودودی، دارالسلام، کراچی، ۲۰۱۲ء، ص:۱۳۷

۲۔ اسلام نظام معیشت کے بنیادی اصول، ڈاکٹر طاہر القادری، مکتبہ منہاج القرآن، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص:۲۰

۳۔ سورۃ الواقعۃ:۵۶/ ۶۳۔۶۶

یعنی ایک گز مربع سے لے کر ہزار ہا ایکڑ تک خواہ کتنی ہی زمین ہو۔[۱] اگر کسی قانونی صورت سے انسان کی مِلک میں آتی ہے تو بہر حال اسکی جائز مِلک ہے۔

لیکن قرآن یہ عقیدہ بھی راسخ کرتا ہے کہ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے وہ تمہاری ملکیت نہیں ہے یہ ایک امانت ہے یہ خدا کی دی ہوئی امانت ہے اسکو خدا کی رضا اور اس کے عائد کردہ حدود کے مطابق خرچ کرنا ہوگا۔ قرآنی آیات کے مطالعے سے واضح ہوگیا کہ کائنات میں کوئی چیز بنیادی طور پر انسان کی ملکیت نہیں ہے دوسری اشیاء کا تو کیا ذکر انسان خود اپنی ذات کا مالک نہیں ہے۔ تمام اشیاء جو ظاہری طور پر انسان کی ملک نظر آتی ہیں در حقیقت اللہ نے اسے امانتاً سپرد کی ہیں۔[۲]

﴿وَءَاتُوهُم مِّن مَّالِ ٱللَّهِ ٱلَّذِيٓ ءَاتَىٰكُمۡ﴾[۳]

ترجمہ: اور دو ان مکاتبوں (غلاموں) کو رب تعالیٰ کے اس مال سے جو اس نے تم کو عطا کیا ہے۔

﴿وَأَنفِقُواْ مِمَّا جَعَلَكُم مُّسۡتَخۡلَفِينَ فِيهِ﴾[۴]

ترجمہ: اور اللہ نے جس مال پر تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے۔

اس میں سے اللہ کے راستے پر خرچ کرو۔

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ انسان کے پاس جو مال و املاک ہیں ان کا اصل مالک اللہ ہے انسان محض نائب کے طور پر ان املاک میں تصرف کا مجاز ہے۔

۱۔ نئی نظری معاشیات، عظمت اللہ، مکتبہ اسلامیہ، علی گڑھ، ۲۰۰۷ء، ص:۳۹۶

۲۔ اسلام کے معاشی تصورات، کوثر نیازی، علمی پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص:۳۰۔۲۸

۳۔ سورۃ النور: ۲۴/ ۳۳

۴۔ سورۃ الحدید: ۵۷/ ۷

باب چہارم:

پاکستان میں معاشی ترقی کے مسائل

اور اسلام کی روشنی میں ان کا حل

فصل اول: کاروباری ضابطہ اخلاق کی عدم پاسداری

فصل دوم: سرمایہ دارانہ نظام

فصل سوم: جاگیردارانہ نظام کا رواج

فصل اول

کاروباری ضابطہ اخلاق کی عدم پاسداری

فصل اول:

کاروباری ضابطہ اخلاق کی عدم پاسداری

اسلام زندگی گزارنے کا ایک ایسا نظام فراہم کرتا ہے جہاں عقائد' عبادات اور روحانیات کے بارے میں ہدایات موجود ہیں وہیں سیاسی، سماجی، معاشی اور اخلاقی مسائل کے حل کیلئے بھی انسانیت کی رہبری کی گئی ہے مطلب کہ زندگی کا کوئی پہلو بھی اسلام کی بنیادی اور اصولی ہدایات سے خالی نہیں ہے۔

کاروباری اخلاقیات کی اہمیت:

انسانی زندگی میں حصول رزق کے جتنے بھی ذرائع ہیں ان میں کاروبار ایک بڑا اور اہم ذریعہ ہے۔ کسی فرد قوم اور ملک کی آزادی' خود مختاری' خوشحالی' تعمیر و ترقی میں کاروبار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کاروبار کی اہمیت کے پیش نظر قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَـٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَـٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو آپس کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضامندی کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ ٱلصَّلَوٰةُ فَٱنتَشِرُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ وَٱبْتَغُوا۟ مِن فَضْلِ ٱللَّهِ﴾[2]

ترجمہ: پس جب تم نماز پوری کر لو تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ یہاں "فضل" سے مراد طلب رزق و مال ہے۔

((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ))[3]

ترجمہ: سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔

اس کا مطلب کہ ۹۵ فیصد رزق کے دروازے کاروباری لوگوں کیلئے کھلے ہوئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس وقت سب سے زیادہ سرمایہ کاروباری لوگوں کے پاس ہے۔

۱۔ سورۃ النساء: ۵/ ۲۹

۲۔ سورۃ الجمعہ: ۶۲/ ۱۰

۳۔ جامع ترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی، حدیث: ۱۱۷۱، ۱/ ۱۵۳

ذرائع معاش میں کاروبار کی جو اہمیت ہے اس کو بیان کرتے ہوئے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ؒ فرماتے ہیں:

> ”معاشی ترقی و برتری کا راز سب سے زیادہ تجارت میں مضمر ہے جو قوم یا ملت جس قدر اس میں دلچسپی لیتی ہے وہ اسی قدر اپنی اقتصادی ترقی کی زیادہ کفیل بنتی ہے اور جس قوم یا ملک کے باشندے تجارت میں دلچسپی نہیں رکھتے وہ اقتصادی نظام میں ہمیشہ دوسروں کے زیر دست رہتے ہیں اور اسی راہ سے دوسری اقوام ان کے تہذیب و تمدن، سیاست و معیشت بلکہ ”مذہب“ تک پر قابض ہو جاتی ہیں اور ان کو غلام بنا کر اُن پر مطلق العنان حکومت کرتی ہیں۔“(۱)

اخلاق کا وصف:

اخلاق ایسے اصولوں کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے غلط و صحیح، اچھے و بُرے اور حق اور ناحق میں تمیز کی جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایسا علم جو نیکی و بدی کو واضح کرے اور یہ کہ انسانوں کو آپس میں معاملات کس طرح طے کرنے چاہیئے نیز یہ کہ لوگوں کو اپنے معاملات میں کس قدر اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھنا چاہیے ان سب باتوں کی وضاحت کرے گویا ان مفید و کارآمد باتوں کی نشاندہی کرنے کے اس علم کو علم الاخلاق کہا جاتا ہے۔

کاروباری اخلاقیات کی عدم پاسداری:

کاروباری اخلاق دراصل علم الاخلاق کی ایک شاخ ہے جس میں اخلاقی اصولوں اور ضابطوں کو تجارتی نقطہ نگاہ سے دیکھا اور پرکھا جاتا ہے۔ اس میں کاروباری حوالے سے مختلف مسائل اور کاروباری لوگوں کی ذمہ داریوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ کاروباری اخلاق میں کچھ متعین اصول ہوتے ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے کاروباری معیار بنائے جاتے ہیں اور پھر یہ لاگو ہوتے ہیں اور یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ کیا صحیح اور کیا غلط اور کیا ہونا چاہیئے اور کیا نہیں۔ مطلب کہ کاروباری اخلاق کا تعلق کاروبار میں اچھے بُرے، صحیح و غلط، حق اور ناحق کے مطالعہ سے ہے۔

۱۔ ذخیرہ اندوزی:

ذخیرہ اندوزی سے تمام معاشرے کا بنیادی ڈھانچہ ہل جاتا ہے۔ لوگ غیر ضروری اموات کا شکار ہوتے ہی سرمایہ چند ہاتھوں تک محدود ہو جاتا ہے۔ حکومت وقت کی تمام تر کوششوں کے باوجود بااثر ذخیرہ اندوز اپنی کارروائیاں جاری رکھتے ہیں۔ ہمارے ملک کی بدنصیبی سمجھیے کہ بڑی بڑی فیکٹریوں اور ملوں کے مالکان وزراء مملکت ہیں

۱۔ اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا حفظ الرحمن، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص: ۲۴۲۔ ۲۴۴

یا اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ جن کی پکڑ اتنی آسان نہیں۔ ملک کا پرائس کنٹرول، سسٹم ناکارہ ہے۔ ریٹس بڑھانے یا کم کرنے کا کوئی فارمولہ نہیں۔ یہاں قانون کی نہیں افراد کی بالا دستی ہے۔ ذخیرہ اندوزی نے ملک کو غربت، بے روزگاری، بدعنوانی اور رشوت ستانی جیسے خوفناک تحفے دیے ہیں۔ دورِ حاضر میں سرمایہ دار بسا اوقات کسی جنس کو ممکن طور پر مارکیٹ سے خریدتے ہیں یا پھر وہ جنس صرف ان کے کارخانے اور مل میں بنتی ہے، اسے ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ پھر بعد ازاں اپنی مرضی سے رسد و طلب میں عدمِ توازن قائم کر کے من مانی قیمتیں وصول کرتے ہیں۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں ذخیرہ اندوزی پر کاروائی کی کچھ خبریں بیان کی جا رہی ہیں۔

۱۔ فیصل آباد: ذخیرہ اندوزی کے خلاف بڑی کارروائی، گودام سیل:

فیصل آباد (صباح نیوز) ضلعی انتظامیہ نے ذخیرہ اندوزی کے خلاف بڑی کارروائی کرتے ہوئے چک ۲۴۱ رب نزد سدھار بائی پاس میں دالوں و چاول کی ذخیرہ کی گئی ۹۵ ہزار بوریوں سے بھرا گودام سیل کر دیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق ضلعی انتظامیہ نے خفیہ اطلاع پر گودام پر چھاپہ مارا تو وہاں چاول، مختلف قسم کی دالوں کے تھیلے ذخیرہ کیے گئے تھے، جس کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے گودام کو سیل کر دیا گیا۔ ضلعی انتظامیہ نے بتایا کہ تمام دالیں اور دیگر اسٹاک سرکاری نرخوں پر مارکیٹ میں فروخت کیا جائے گا۔ [۱]

۲۔ ہر سال ماہ رمضان کی آمد سے قبل ہی اشیائے خورد و نوش کی آسمان سے باتیں کرتی قیمتیں عام آدمی کو پورے ماہ پریشانی میں مبتلا کئے رکھتی ہیں۔ اس سال دودھ تو رمضان سے قبل ہی مہنگا کر دیا گیا جبکہ بتدریج چینی، آٹے اور دالوں کی قیمتیں بھی بڑھا دی گئیں۔ منافع خور سرگرم ہو جاتے ہیں، دالیں، چینی، مرغی، چھوٹا اور بڑا گوشت، چائے کی پتی، دودھ، انڈے، مشروبات، چاول، گھی، بیسن، آٹا، سبزی، پھل اور ہر قسم کی ضروریات زندگی مہنگے داموں فروخت کی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان کھجور سے روزہ کھولنے کو فوقیت دیتا ہے۔ اس لحاظ سے اصولاً رمضان المبارک میں کھجوروں کے نرخوں میں نمایاں کمی کی جانی چاہئے لیکن کھجور کی قیمت میں کئی گنا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ [۲]

جو تاجر ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کرے اور پھر مارکیٹ میں اپنا مال اپنی مرضی کی قیمت پر فروخت کرے، اسے خطاکار اور ملعون قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنِ احْتَكَرَ يُرِيْدُ أَنْ يَتَعَالي بِهَا عَلَي الْمُسْلِمِيْنَ فَهو خَاطِي)) [۳]

ترجمہ: جس نے ذخیرہ اندوزی اس ارادہ سے کی کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر اس

۱۔ روزنامہ جسارت، ۱۶ فروری ۲۰۲۰ء

۲۔ ہم نیوز، ۰۶ مئی ۲۰۱۹ء

۳۔ المستدرک علی الصحیحین، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم، کتاب البیوع، مکتبہ قدیمی، کراچی، ۱۹۹۸ء، حدیث: ۲۲۱۱: ۲/ ۱۴۵

چیز کی قیمت چڑھائے خطاکار ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

((اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَکِرُ مَلْعُوْنٌ))[1]

ترجمہ: تاجر کو (اللہ تعالی کی طرف سے) رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا لعنتی ہے۔

اسلام کے قانونِ تجارت نے ذخیرہ اندوزی کی تمام ممکنہ صورتوں کو بھی مردود قرار دیا ہے۔

ذخیرہ اندوزی نے ملک کو غربت، بے روزگاری، بدعنوانی اور رشوت ستانی جیسے خوفناک تحفے دیے ہیں۔ ان تمام احکامات کی روشنی میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ذخیرہ اندوزی کے سنگین نتائج سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے اس کے لیے علماء اپنی تقاریر، اساتذہ اپنی درسگاہوں، ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے لوگوں کو اس فعل کی حرمت سے آگاہ کریں تاکہ لوگ اس فعل سے باز رہیں۔

۲۔ ملاوٹ:

ملاوٹ اور دھوکہ دہی آج کل معاشرہ میں عام ہو چکا ہے مختلف روزمرہ کے استعمال کی عام اشیاء میں ملاوٹ کا توسب کو ہی پتا ہے۔ اور یہ ملاوٹ شدہ اشیاء صحت کیلئے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ یعنی ملاوٹ کرنے والے لوگوں کی جانوں کو ایک تسلسل سے نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ پہنچا رہے ہیں۔ آپ کسی جنرل اسٹور پر جائیں تو دکاندار آپ سے پوچھتا ہے کہ فلاں برانڈ ایک نمبر چاہیے یا دو نمبر گوشت والے کے پاس چلے جائیں کم تولنا اور اس میں ناقص گوشت ملا دینا عام ہے۔ جھوٹ بول کر اپنی چیزیں بیچنا ایک عام بات ہے۔ ہمارا معاشرہ اس غلیظ دلدل میں ڈوب چکا ہے۔ جو لوگوں کو دھوکہ دے کر روزی کماتے ہیں۔ ملاوٹ سے نئی سے نئی بیماریاں جنم لے رہی ہیں اور ملکی معیشت پر منفی اثر پڑتا ہے۔ لوگ دھوکے اور ملاوٹ سے بددل ہو کر سرمایہ لگانے سے گریز کرتے ہیں جس سے معاشی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ دودھ، انڈے، گوشت، پھلوں اور آٹے دال گھی مصالحوں تک مارکیٹ میں ایسی کوئی چیز دستیاب نہیں جس کے متعلق وثوق سے کہا جائے کہ یہ وہی چیز ہے جس کا دعویٰ کیا گیا۔ خوراک میں ملاوٹ جعل سازی اور بے ضابطگیوں کا سلسلہ ہمارے ہاں اس قدر دراز ہو چکا ہے کہ پتا نہیں چلتا اور بندہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ کیا چیز استعمال کرے کیا نہ کرے۔ حال ہی میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ ملاوٹی مرچیں بنانے والی فیکٹری سیل کر دی گئی۔

۱۔ سنن ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی، کتاب التجارات، حدیث: ۲۱۵۳، ۵۱۸/۳

۱۔ لاہور، سبزہ زار کے علاقے میں ڈی جی فوڈ اتھارٹی کی سربراہی میں رات گئے ملاوٹ مافیا کے خلاف بڑا آپریشن، ملاوٹی مرچیں بنانے والی سپر سپائس فیکٹری سیل کر دی گئی۔ ۱۵ ہزار کلو تیار مرچیں، ۴ ہزار کلو کے قریب تیار ہلدی، ۱۰ ہزار کلو خام مال. ۱۶۲۰ کلو مکئی، ہزار کلو سے زائد چوکر، کھلے رنگ اور دیگر ملاوٹی سامان بھی بر آمد کر لیا گیا۔ ڈی جی فوڈ کیپٹن کا کہنا ہے کہ مرچوں میں بھوسے، مکئی اور چوکر کی ملاوٹ کی جارہی تھی۔ گرائنڈنگ اور پیکنگ مشینیں اکھاڑ دی گئیں۔ مردار گوشت ڈیٹر جنٹ اور کھاد ملا دودھ ناپاک اجزا سے حاصل کیا گیا کوکنگ آئل اور ملاوٹ شدہ پسے مصالحہ جات سے ہوتے ہوئے معاملہ جعلی مکھن تک آ پہنچا۔ اطلاعات کے مطابق نہایت ناقص اجزا سے تیار کیا گیا یہ مکھن نما مواد انسانی صحت کے لیے زہر کا اثر رکھتا ہے مگر لاہور سمیت بڑے چھوٹے شہروں کے مہنگے ریستورانوں میں دھڑلے سے استعمال ہو رہا ہے۔[۱] ملاوٹ والی اور مضرِ صحت اجزا سے تیار کردہ اشیائے خورد و نوش استعمال کرنے سے لوگ پیچیدہ نوعیت کے امراض کا شکار ہو رہے ہیں۔ حکام کو اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنا چاہئیں۔

۲۔ پنجاب میں مردہ اور حرام جانوروں کے گوشت کی فروخت کے بعد اب ڈبے کے دودھ میں بھی ملاوٹ کا انکشاف ہو گیا۔ پنجاب اسمبلی اجلاس میں وقفہ سوالات کے دوران محکمہ فوڈ نے انکشاف کیا کہ چار معروف برانڈ کے نام پر عوام کو ناقص اور ملاوٹ شدہ دودھ مہیا کیا جارہا ہے۔ جن کے دودھ کے نمونے لیبارٹری ٹیسٹ کیلئے بھی بھجوائے گئے، جس کی رپورٹ میں دودھ کے ناقص اور ملاوٹ شدہ ہونے کی تصدیق ہوئی ہے۔[۲] اس طرح سے جن چیزوں میں ملاوٹ کی جاتی ہے تو پھر وہ اشیاء ناقص اور ملاوٹی ہونے کی وجہ سے باہر ممالک میں بر آمد نہیں کی جاسکتی ہیں۔ در آمدات اور بر آمدات کا سلسلہ ملک میں معاشی ترقی کا ایک اہم ذریعہ ہوتا ہے۔ اب وہ ملاوٹی اور ناقص اشیاء صرف پاکستان میں ہی فروخت کی جاتی ہیں جن کی آمدن سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاوٹ کرنے والوں کو انتہائی شدید وعید سنائی ہے:

((مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا))[۳]

ترجمہ: جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔

مدینہ منورہ میں ایک بازار سے گزرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ کے ڈھیر کی نچلی سطح کو گیلا پا کر اس کے تاجر سے ارشاد فرمایا:

۱۔ نیوز، روزنامہ جرات پاکستان، ۱۹ اپریل ۲۰۱۹ء

۲۔ نیوز، اب تک کی ہر خبر، ۱۵ اپریل ۲۰۱۹ء

۳۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، حدیث: ۲۸۳، ۱/ ۵۷

((أَفَلَا جَعَلْتَه فَوْقَ الطَّعَامِ حتي يَراهُ النَّاسُ))[1]

ترجمہ: گیلی گندم کو اس ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں ڈالتا تا کہ لوگ اسے با آسانی دیکھ سکیں۔

بغیر عیب بتائے شے کو فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((لاَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ أَخِيْه بِيْعًا فِيْهِ عَيْبٌ الاَّ بَيَّنَه))[2]

ترجمہ: کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ بتائے بغیر اپنے دینی بھائی کو کوئی عیب دار چیز فروخت کرے۔

غرض اسلام نے ملاوٹ اور دھوکہ دہی کے تمام چور دروازوں کو بند کر کے ایک مامون اور پاکیزہ معیشت کا ماحول فراہم کیا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہم اللہ اور اس کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ماننے والے ہیں اور ان کی اتباع کرنے والے ہیں قرآن و حدیث میں بارہا اس بات کا حکم آیا ہے کہ ملاوٹ جیسے کاموں سے اجتناب کیا جائے جب کہ موجودہ دور میں ان بد افعالیوں میں مشغولیت دینی تعلیمات سے دوری ہی کا نتیجہ ہے جو کہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کے زمرے میں شمار ہوتا ہے اور یہ نافرمانی اللہ کی پکڑ کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ دور حاضر کے حالات اور دنیا میں معاشی تنگی اس پکڑ کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے لہذا اس فعل سے باز آکر عذاب الٰہی سے بچا جا سکتا ہے۔ اسی طرح وہ برینڈز اور کمپنیاں جو ملاوٹ سے پاک کاروبار کر رہے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیئے تا کہ ملاوٹ کرنے والے ادارے بے نقاب ہوں گے اور ان کی حوصلہ شکنی ہو سکے گی۔

۳۔ رشوت کا عام ہونا:

رشوت کسی معاشرے میں اس وقت جنم لیتی ہے جب وہاں عدل و انصاف کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور انسان مفاد پرستی، خود پرستی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں لوگوں کو جائز طریقے سے بھی اپنے حقوق حاصل نہیں ہو پاتے۔ رشوت کے نتیجے میں اعلی اخلاقی اقدار عدل، ایثار، رواداری، اخوت وغیرہ ختم ہو جاتے ہیں۔ انسان میں لالچ اور خود غرضی پیدا ہو جاتی ہے نتیجتاً وہ صرف اپنے فائدے کا سوچتا ہے اور دوسروں کے نقصان کی فکر نہیں کرتا۔ رشوت خور دوسرے کا نقصان کر کے صرف اپنا فائدہ چاہتا ہے۔ جو اسلام کی تعلیمات کے برعکس ہے رشوت ایک حرام ذریعہ آمدن ہے جس کے نتیجے میں نہ کوئی دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی عبادت۔ رشوت عدل کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ رشوت ظلم کی ایک بدترین شکل ہے اور ظلم کو اللہ تعالی نے اپنے اور بندوں پر حرام قرار دیا ہے۔ جس

۱۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، حدیث: ۲۸۴، ۱/ ۵۷

۲۔ سنن ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد یزید، کتاب التجارات، حدیث: ۲۲۴۶، ۳/ ۱۷۸

معاشرے میں انصاف کو بیچا جائے گا وہاں معاشرے میں بدامنی پھیلے گی، مجرموں کی حوصلہ افزائی ہو گی اور وہ بے باک ہو کر جرائم کا ارتکاب کریں گے۔ جس کے نقصان کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے لگتے ہیں کیوں کہ عدالت ان لوگوں کی آخری امید ہوتی ہے جہاں سے انصاف ملنے کی توقع ہوتی ہے اور جب وہاں سے بھی انصاف نہیں ملتا تو وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس سے بدامنی، دہشت گردی، قتل وغارت گری اور معاشرتی بے راہ روی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اور ملک میں معاشی بدامنی پھیل جاتی ہے اور ملک معاشی ترقی کرنے کے بجائے معاشی تنزلی کی طرف چلا جاتا ہے۔ اب تو چھوٹے سے چھوٹے کام کے لیے بھی رشوت دینی پڑتی ہے۔ جائیداد کے کاغذات حاصل کرنے ہوں یا بجلی گیس کا بل ٹھیک کرانا ہو، عدالت سے کسی فیصلے کی نقل حاصل کرنی ہو یا مقدمے کی اگلی تاریخ لینی ہو، کوئی فیس ادا کرنی ہو یا تنخواہ کا اجرا اور درستی ہو، رشوت کے بغیر کام نہیں ہوتا اور عوام اپنا کام جلد نکلوانے کے لیے رشوت دیتے اور لیتے ہیں۔ ایسے لوگ کسی قانون اور ضابطے کو نہیں مانتے وہ سر عام اس گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان کے دل میں کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ اس گناہ کا ارتکاب ہمارے معاشرے کے اکثر لوگ کرتے ہیں مگر عوام کیا کریں جس معاشرے میں رشوت کے بغیر کام نہیں ہوتا وہاں عوام کو مجبوراً رشوت دینا پڑتی ہے۔ رشوت جسے قانون جرم قرار دیتا ہے لیکن اس معاشرے میں بدقسمتی سے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ رشوت نہ دینے والا قانونی طور پر مجرم ہے۔[۱]

رشوت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ روپے کی ایک بہت بڑی مقدار ناجائز کاموں میں صرف ہو جاتی ہے وہ روپیہ جسے ملک میں افراد کی فلاح، کپڑے یا خوراک میں لگنا چاہیئے تھا وہ ناجائز کاموں میں خرچ ہو رہا ہے۔ اسی طرح رشوت لینے والا شخص بھی اخلاقی طور پر بدحالی کا شکار ہو رہا ہے کہ اس کے پاس اتنا مال جمع ہو جاتا ہے کہ وہ اسے ناجائز ذرائع سے کمانے میں ہی خرچ کرتا ہے جس سے وہ گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے اور اس میں بہت سی معاشرتی برائیاں بھی جنم لینے لگتی ہیں۔ دولت کا ارتکاز شروع ہو جاتا ہے لوگ معاشی بدحالی کے ساتھ اخلاقی بدحالی کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔

ٹیلنٹ کا ضیاع:

معاشرے کے دولت مند اور صاحب اقتدار لوگ اپنے ذرائع اور دولت کے ناجائز استعمال کے ذریعے ہر چیز تک رسائی حاصل کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ جس سے غریب اور بے کس لوگوں کا استحصال ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جب حق دار ہونے کے باوجود معاشرے کے افراد کو ان کے حقوق حاصل نہیں ہو پاتے تو ان میں مایوسی اور ذہنی انتشار پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لئے ناجائز طریقے اپنانے میں بھی کوئی عار محسوس

۱۔ ایکسپریس نیوز، رشوت، (کالم)، ۲ مارچ ۲۰۱۷ء

نہیں کرتے۔اس کی ایک مثال پاکستان میں روزگار کے مواقع کا سب کو یکساں فراہم نہ ہونا ہیں۔کسی بھی ملازمت کے حصول کیلئے مطلوبہ تعلیم اور اس کے لئے اہلیت کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔لیکن بد قسمتی سے ملک کے باحیثیت لوگ اپنی دولت کا استعمال کرتے ہوئے رشوت اور سفارش کے ذریعے نااہل ہونے کے باوجود با آسانی اس ملازمت تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔جبکہ کم حیثیت افراد قابلیت کے باوجود ڈگریاں ہاتھوں میں لیے جگہ جگہ گھومتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔جس سے ان میں مایوسی اور معاشرے سے بغاوت جنم لیتی ہے۔معاشرے کے افراد کا یہی رویہ معاشرے میں پڑھے لکھے چور اور ڈاکو پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے غرض یہ کہ کسی بھی دنیاوی فائدے یا کسی منصب پر فائز ہونے کے لئے رشوت دینا ایک حرام فعل ہے۔اور معاشرے میں حرام کا شامل ہو جانا ہی کسی بھی اسلامی معاشرے کی بربادی کی وجہ بنتا ہے۔رشوت کی ممانعت میں قرآن کریم کی یہ آیت صریح دلالت کرتی ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓاْ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[۱]

ترجمہ:اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت ایسے شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس کسی کا حق ہو؛لیکن حق والے کے پاس ثبوت نہ ہو،اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وہ عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کروالے اوراس طرح دوسرے کا حق غصب کرلے۔یہ ظلم ہے اور حرام ہے۔عدالت کا فیصلہ ظلم اور حرام کو جائز اور حلال نہیں کر سکتا۔یہ ظالم عند اللہ مجرم ہو گا۔[۲]

حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ الرَّاشِي وَالْمُرتَشِي))[۳]

ترجمہ:رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

رشوت،جوا،سٹہ،قماربازی،اور دیگر مخربِ اخلاق کام جن سے معاشرے کا اخلاقی معیار پست ہوتا ہے،اسلام ایسے ذرائع آمدنی و وسائلِ دولت کو کسبِ معاش کے اسباب کے طور پر اختیار کرنے سے منع فرماتا ہے۔

۱۔سورۃ البقرۃ:۲/۱۸۸

۲۔تفسیر ابن کثیر،حافظ عماد الدین،تفسیر سورۃ البقرۃ آیت:۱۸۸،مکتبہ اسلامیہ،لاہور،۱/۲۳۵

۳۔سنن الترمذی،محمد بن عیسیٰ ترمذی،باب ماجاء فی الراشی والمرتشی،حدیث:۱۳۳۷،۲/۳۳۵

۴۔ناپ تول میں کمی:

ناپ تول میں کمی آج ہر دوکاندر نے اپنا شیوہ بنالیا ہے یہ ایسا مکروہ حیلہ ہے، جس کے ذریعے تاجر کم مال دے کر زیادہ دام وصول کرلیتے ہیں۔ پاکستان میں میں آج کل ناپ تول میں کمی کرنا اسکو عار نہیں سمجھا جاتا ہے۔اور معاشرے میں ناپ تول کی کمی کی وجہ سے بدامنی اور معاشی بدحالی پیدا ہوتی ہے۔ناپ تول میں کمی کی وجہ سے کئی دکانیں اور پٹرول پمپ سیل بھی کیے گئے اور ان کے مالکان پر جرمانہ بھی لگائے گئے۔

۱۔ناپ تول میں کمی شالیمار پٹرولیم سروس نزدلاری اڈہ کو سیل کر دیا گیا:

جھنگ ڈسٹرکٹ آفیسر انڈسٹری کی قیادت میں ٹاسک فورس نے شہر میں مختلف پٹرول پمپ کے پیمانے چیک کئے۔ اس ضمن میں سپر شالیمار پٹرولیم سروس نزدلاری اڈا سرگودھا روڈ کو ناپ تول میں کمی کے باعث سیل کر دیا گیاہے۔ڈسٹرکٹ آفیسر انڈسٹری نے کہاکہ ضلع بھر میں پٹرول پمپس پر پیمانوں میں ہیرا پھیری کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائیگی۔ پٹرول پمپ مالکان مقررہ مقدار کے پیمانے استعمال کریں بصورت دیگر ان کے خلاف کاروائی عمل میں لائی جائیگی۔ (۱)

۲۔راولپنڈی اسسٹنٹ کمشنر نے ناپ تول میں کمی کرنے پر کہوٹہ کی ۲ پٹرول پمپوں کو ایک لاکھ ۱۵ ہزار روپے جرمانہ عائد کر دیا انہوں نے کہوٹہ میں مختلف پٹرول پمپوں کا دورہ کیا جہاں پٹرول کی کوالٹی اور پیائش کے پیمانے چیک کیے۔ اسسٹنٹ کمشنر نے مختلف دکانوں پر بھی چھاپے مارے اور زائد قیمتیں وصول کرنے پر ۶ دکانوں کے خلاف ۶ ہزار ۵۰۰ روپے جرمانہ عائد کیا۔ (۲)

۳۔حافظ آباد سویٹس شاپ پر ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے خلاف ڈسٹرکٹ آفیسر کی کارروائی۔ گورمے بیکرز سمیت آٹھ سے زیادہ سویٹس شاپ کے چالان عدالت میں جمع کروادیئے گئے۔ (۳)

قرآن مجید میں ناپ تول میں کمی کے حوالے سے اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ٱلَّذِينَ إِذَا ٱكْتَالُوا۟ عَلَى ٱلنَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ﴾ (۴)

ترجمہ: خرابی ہے گھٹا کر دینے والوں کے لیے، وہ لوگ کہ جب دوسروں سے مال لیں

۱۔ جنگ نیوز، ۱۶ اکتوبر ۲۰۱۹ء

۲۔ اُردو پوائنٹ اخبار تازہ ترین، آن لائن، ۱۳ فروری ۲۰۲۰ء

۳۔ تکبیر نیوز، ۱۳ دسمبر ۲۰۱۸ء

۴۔ سورۃ المطففین: ۸۳/ ۱۔۳

تو پورا پورا لیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔

یہ آیات کریمہ صرف ترازو سے تولنے ناپنے والی اشیاء کے بارے میں خبر دار نہیں کر رہی ہیں بلکہ ہر اس معاملے میں متنبہ کر رہی ہیں جن میں دو افراد یا دو پارٹیوں کے درمیان لین دین کا معاملہ ہو رہا ہو۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ناپ تول میں کمی کرنے، لوگوں کے ساتھ ناانصافی کرنے، لوگوں کا حق مارنے اور حرام طریقے سے روزی کمانے کی نہ صرف سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے بلکہ صاف طور پر اس حقیقت سے خبر دار کیا ہے کہ ایسا رویہ دنیا میں بے برکتی اور فساد کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور آخرت میں خدا کی پکڑ اور اس کے عذاب کا باعث بھی بنے گا۔ اسلام تو ناپ تول میں عدل وانصاف سے آگے بڑھ کر لوگوں کے ساتھ مزید احسان کا درس دیتا ہے، نبی کریمؐ نے اسی بات کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((زِنْ وَأَرْجِحْ))[1]

ترجمہ: تول اور جھکتا تول۔

ناپ تول پورا پورا دینے سے خوشگوار معاشرتی نتائج بر آمد ہوتے ہیں، لوگ ایک دوسرے پر اعتماد کرنے لگ جاتے ہیں اور تعلقات میں بہتری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو ہمیشہ سے یہ تعلیم دیتا ہو آیا ہے کہ وہ نہ صرف ناپ تول میں عدل وانصاف سے کام لیں بلکہ مزید احسان کرنے کو اختیار کریں۔ ناپ تول میں کمی کی ایک بڑی وجہ ایمان کی کمزوری ہے کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ ناپ تول میں کمی کر کے یا مال کو جمع کرنے سے دولت اکٹھی کی جاسکتی ہے جب کہ دولت کی فراوانی محض اللہ کی طرف سے ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر فرد اپنے اعمال کا محاسبہ کرے اور ایمان کو پختہ کرنے کی کوشش کرے۔ آج بھی معاشرے میں ناپ تول میں کمی کرنے والے افراد کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے تقریباً ہر ادارے میں ایسے افراد موجود ہیں جو اپنے فرائض کی ادائیگی میں بدعنوانی کرتے ہیں ایسے افراد کی ایک بڑی تعداد ملکی سیاست میں حصہ لیتی ہے ایسے افراد سے سیاست میں بھی بد دیانتی کی توقع ہی کی جاسکتی ہے گویا کہ وہ افراد جو اپنے کاروبار یا مال میں بد دیانت تھے وہ سیاست میں میں بھی ایسی ہی بد دیانتی کریں گے۔

۵۔ جعلی ادویات:

ملک میں نہ صرف جعلی اور غیر معیاری ادویات کا کاروبار چل رہا ہے بلکہ وہ ادویات جن کی معیاد ختم ہو جاتی ہے ان کو نئے لیبل لگا کر پھر سے مارکیٹ میں بیچ دیا جاتا ہے، یوں یہ ناجائز ذرائع آمدنی کے حامل لوگ اپنے ذاتی مفادات کے لئے انسانی جانوں سے کھیلتے ہیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ یہاں تو زہر بھی خالص نہیں ملتا۔ اشیاء خوردنی میں

ا۔ سنن ابن ماجة، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، باب الرحجان فی الوزن، حدیث: ۲۲۲، ۳/ ۵۶۲

بھی ملاوٹ عام ہے اور چائے، مرچوں اور مصالحوں کے بارے میں کئی قصے مشہور ہیں۔ جہاں تک ادویات کا تعلق ہے تو غیر معیاری اور جعلی ادویات انسانی اموات کا باعث بنتی ہیں، اور جو لوگ ذاتی مفاد کے لئے ناجائز آمدنی کو ذریعہ بنا لیتے ہیں وہ کسی بھی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔ حکمرانوں کو ایسے امور کی طرف بھی توجہ دینا چاہیے اور محکموں کے سربراہ اور افسر چن کر تعینات کئے جائیں جو ان برائیوں کو ختم کرانے کے لئے عملے کا احتساب بھی کر سکیں۔ جعلی ادویات فروخت کرنے پر کئی سارے سٹور سیل کر دیے اور ان پر انتظامیہ کی طرف سے جرمانے بھی کیے گئے۔

جعلی ادویات کی فروخت:

کوئٹہ میں ۲۰ سے زائد میڈیکل اسٹورز کو نقلی اور جعلی ادویات فروخت کرنے پر سیل کر دیا گیا۔ ضلعی انتظامیہ اور ڈرگ کوالٹی کنٹرول بورڈ کے حکام نے کوئٹہ کے متعدد علاقوں میں کارروائی کی اور نقلی و جعلی ادویات فروخت کرنے والے میڈیکل اسٹورز کو سیل کیا۔ ڈپٹی کمشنر کوئٹہ عبد الواحد کاکڑ نے ڈان ڈاٹ کام کو بتایا کہ ۲۳ میں سے ۲۲ میڈیکل اسٹورز پر جعلی ادویات پائی گئیں، جس کے باعث انہیں سیل کیا گیا۔ انتظامیہ کی جانب سے کوئٹہ کے علاقے غوث آباد سے دو عطائی ڈاکٹرز کو بھی گرفتار کیا گیا، جن کے قبضے سے جعلی ادویات برآمد ہونے کے بعد ان کے کلینک سیل کر دیئے گئے۔[1] جعلی ادویات کے استعمال سے سب سے بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ معاشرے کے بہت سے افراد جب کسی بیماری کا شکار ہوتے ہیں اور ادویات کے استعمال کے باوجود بھی تندرست نہیں ہو پاتے تو ایسے افراد اپنی محنت مزدوری سے بھی محروم ہو جاتے ہیں وہ مریض جتنا عرصہ بیمار رہے گا اتنا عرصہ وہ اپنی صلاحیتوں کا استعمال بھی نہیں کر پائے گا جس سے وہ معاشی طور پر تنگ دستی کا شکار ہو جائے گا۔ مثلاً اگر ملک میں یومیہ دو ہزار افراد بیمار ہو جائیں تو اس سے ملک کی افرادی قوت میں کمی واقع ہو گی اور ملکی معیشت سست روی کا شکار ہو جائے گی جس سے ملک کو یومیہ اربوں روپے کا نقصان ہو گا اور ملک کا دیوالیہ نکل جائے گا۔ جبکہ اس کے برعکس میڈیکل اسٹورز کا کاروبار عروج پر ہوتا ہے کیونکہ ہر فرد ادویات کا استعمال کرتا دکھائی دیتا ہے۔ لہذا جس ملک کے لوگ صحت مند نہیں ہوں گے وہاں معاشی ترقی کا ہونا ممکن نہیں۔ البتہ حکومتی اخراجات میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ ان افراد کی دیکھ بھال اور علاج معالجے کے لیے سرکاری ہسپتالوں میں ادویات اور دیگر سہولیات کی فراہمی کے لیے ایک خطیر رقم درکار ہوتی ہے جو کہ حکومت ادا کرتی ہے اور اس سے ملکی معیشت متاثر ہوتی ہے۔

۶۔ حلال و حرام کی تمیز کا ختم ہونا:

آج کل معاشرے سے حلال و حرام کی تمیز ختم ہو گئی ہے، انسان مال کی محبت میں اندھا ہو چکا ہے اسے بس

۱۔ ڈان نیوز، سید علی شاہ، ۱۱ فروری ۲۰۱۸ء

چاہیے، چاہیے جیسے آئے۔ چنانچہ مالِ حرام میں کوئی بھلائی نہیں، بلکہ اس میں بربادی ہی بربادی ہے۔ پاکستان میں بھی حرام گوشت کا کاروبار عروج پر ہے قصاب لوگوں کو حرام اور مردہ گوشت کھلاتے ہیں جس سے عوام کے جانی نقصان کے ساتھ معاشی اخلاقیات کی بھی تباہی کی جاتی ہے۔

- مردہ اور حرام جانوروں کا گوشت فروخت کرنیوالوں کیخلاف انتظامیہ کا کریک ڈاؤن:

محکمہ لائیو سٹاک نے لاہور میں بیمار اور مردہ جانوروں کا گوشت فروخت کرنے اور غیر قانونی سلاٹر ہاؤسز چلانے والوں کے خلاف بھرپور انداز میں کریک ڈاؤن کا آغاز کر دیا، اور پولیس کی مدد سے شہر کے مختلف علاقوں میں چھاپے مار کر مردہ جانوروں اور بیمار جانوروں کا ۸،۸ من گوشت قبضے میں لے لیا۔ تین ملزمان کو گرفتار کر کے مقدمات درج کرا دیے گئے۔ مکروہ کاروبار میں ملوث ایک شخص کو بیمار جانور کو ذبح کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں گرفتار کیا گیا۔ (۱)

اسلام میں مردہ جانوروں کا گوشت کھانے کی سخت ممانعت کی گئی ہے، دین اسلام میں مردار گوشت کھلانے والوں کیلئے سخت عذاب کی وعید آئی ہے مالِ حرام سے کیا گیا صدقہ قبول ہوتا ہے نہ ہی اس میں برکت ہوتی ہے اور چھوڑ کر مرے گا تو عذابِ جہنم کا سبب بنتا ہے۔ حلال اور حرام کا خیال رکھنا بڑی اہم اور ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالی کے اوامر اور اس کی ذات کی تعظیم کا اظہار کرتی ہے وہ ایک خاص رنگ کی عبادت ہے لہذا اس بات کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس لیے انسان کی ہر وہ کوشش جو وہ حلال کمانے اور حرام سے بچنے کے لیے کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے خود اپنے کلام میں حلال آمدنی کے حصول کی تعلیم دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَـٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَـٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (۲)

ترجمہ: اے لوگو زمین میں سے حلال اور پاکیزہ کھاؤ اور شیطان کی خواہشات کی اتباع سے بچو بلاشبہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

اس آیت کی تشریح میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ جس میں پوری انسانیت کو حلال کے اختیار کرنے اور حرام سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اسی طرح مال و دولت کے حصول میں شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے روکا گیا ہے۔ پھر جہاں کسب حلال کی تلقین کی گئی وہیں اسلام میں حرام کمائی سے دور رہنے کی بھی سختی سے تاکید کی گئی ہے کیونکہ حرام کمائی کی وجہ سے انسان کی طبیعت میں بہت سے مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اسی حرام آمدنی کا اثر یہ

۱۔ وقت نیوز، ۱۲ اگست ۲۰۱۹ء

۲۔ سورۃ البقرۃ: ۲/۱۶۸

بھی ہوتا ہے کہ انسان میں دولت کی حرص و طمع اس حد تک بھی پہنچ جاتی ہے کہ وہ آخرت سے غافل ہو کر دنیوی مفادات کی خاطر آنکھیں بند کر کے مال کے حصول میں لگ جاتا ہے۔

خلاصہ بحث:

اس فصل میں کاروباری ضابطہ اخلاق کے بنیادی موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ضمن میں اسلام معاشی ترقی کے لئے کاروبار کو بہت اہمیت دیتا ہے کیونکہ انسانی زندگی میں حصول رزق کے جتنے بھی ذرائع ہیں ان میں کاروبار معاشی ترقی کا بڑا ذریعہ ہے۔ معاشی ترقی کا راز تجارت میں ہی مضمر ہے یعنی جو قوم بھی کاروبار میں دلچسپی لیتی ہے وہ اقتصادی ترقی میں اس قدر خود کفیل ہو جاتی ہے کاروبار کے لیے چند بنیادی اخلاقیات کا ہونا ضروری ہے تاکہ حلال حرام، حق و باطل، عدل و ظلم میں تمیز کی جاسکے۔ کاروباری اخلاقیات کی عدم پاسداری کے ضمن میں جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان میں سب سے پہلے ذخیرہ اندوزی ہے۔ کیونکہ یہ کسی بھی ملک کو بدعنوانی، بے روزگاری جیسے مسائل سے دوچار کر دیتی ہے۔ ملک میں مختلف کاروباری اخلاقیات کی عدم پاسداری کا ایک برا سبب ملاوٹ اور دھوکہ دہی بھی ہے جو کہ ہمارے معاشرے میں عام ہو چکی ہے ملاوٹ شدہ اشیاء کا استعمال صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ ملک پاکستان میں انسان کی بنیادی ضروریات خوراک، ادویات، پھل، دودھ، گوشت، الغرض کوئی بھی شے ملاوٹ سے پاک نہیں۔ اسی طرح کاروباری اخلاق کی عدم پاسداری کی ایک صورت رشوت بھی ہے جس معاشرے میں رشوت عام ہو جائے وہاں عدل و انصاف کا خاتمہ ہو جاتا ہے رشوت ظلم کی بدترین شکل ہے اسلام میں رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت کی گئی ہے۔ رشوت کا سب سے بر انقصان ٹیلنٹ کا ضیاع ہے جس کے نتیجے میں لوگ ناجائز ذرائع سے ہر چیز تک رسائی کو اپنا حق سمجھتے ہیں اسی طرح ناپ تول میں کمی جسے ہر دکاندار نے اپنا شیوا بنالیا ہے ناپ تول میں کمی کاروبار میں خرابی کی بہت بڑی وجہ ہے۔

فصل دوم

سرمایہ دارانہ نظام

فصل دوم:

سرمایہ دارانہ نظام کا رواج

سرمایہ دارانہ نظام Capitalism ایک معاشی و معاشرتی نظام ہے جس میں سرمایہ بطور عامل پیدائش نجی شعبہ کے اختیار میں آتا ہے یعنی دوسرے الفاظ میں کرنسی چھاپنے کا اختیار حکومت کے بجائے کسی پرائیویٹ بینک کے اختیار میں ہوتا ہے اشتراکی نظام کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام میں نجی شعبہ میں ترقی معکوس نہیں ہوتی بلکہ سرمایہ داروں کی ملکیت میں سرمایہ کا ارتکاز ہوتا ہے اور امیر امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے اس میں منڈی آزاد ہوتی ہے اس لئے اسے آزاد منڈی کا نظام بھی کہا جاتا ہے۔ جملہ حقوق، منافع خوری اور نجی ملکیت اس نظام کی وہ خصوصیات ہیں جس سے سرمایہ دارانہ نظام کے مخالفین کے مطابق غریبوں کا خون چوسا جاتا ہے۔

مختصراً سرمایہ دارانہ نظام یہ کہتا ہے کہ ذاتی منافع کے لیے اور ذاتی دولت و جائیداد و پیداواری وسائل رکھنے میں ہر شخص مکمل طور پر آزاد ہے حکومت کی طرف سے اس پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیئے۔ سرمایہ دارانہ نظام کا مفہوم یہ ہے کہ اس نظام میں پیدائش کے ذرائع لوگوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جبکہ حکومت ان کی نگران ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنی کمائی کا مالک ہے اور کسی دوسرے کو اس پر اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ زراعت، صنعت، تجارت، پرائیویٹ اداروں اور اشخاص کی مرہون منت ہوتی ہیں۔ تاہم کرپشن، بے ضابطگیوں اور بے اصولیوں کو روکنے کے لیے حکومت وقتاً فوقتاً قوانین اور قواعد کا نفاذ کرتی رہتی ہے۔ ہر شخص کو اپنے ذاتی مال میں کمی بیشی کرنے کا پورا پورا حق ہوتا ہے۔[1]

سرمایہ دارانہ نظام کی تعریف:

پروفیسر ویب نے سرمایہ دارانہ معاشی نظام کی تعریف یوں کی ہے:

"An economic system in which the production and distribution of goods depend on invested private capital and profit making"[2]

سرمایہ داری یا سرمایہ دارانہ نظام یا سرمایہ دارانہ تہذیب سے ہماری مراد حقیقی ترقی اور قانونی اداروں کے کا وہ مرحلہ ہے جس میں محنت کار آلات پیداوار کی ملکیت کے حق سے اس انداز سے دست بردار ہو جاتے ہیں کہ ان کی حیثیت محض اجرت کاروں کی رہ جاتی ہے۔ ان کی بقاء تحفظ اور شخصی آزادی قوم کے اقلیتی گروہ کی خواہش اور صوابدید پر انحصار کرنے لگتی ہے۔ یہ گروہ اپنے قانونی حق ملکیت کی رو سے زمین، مشین اور قوت محنت کے اداروں

1.Capitalism ,James D.Forman, (Dell publicashing,New York,1976), P:11
2.Ibd

پر کنٹرول حاصل کر لیتے ہیں اور ان کا بنیادی مقصد زیادہ سے زیادہ انفرادی مفاد کا حصول ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام اصل میں ایک ایسا نظام معیشت ہے جس میں افراد کو مکمل آزادی ہوتی ہے۔ [۱]

سرمایہ دارانہ نظام کے اصول:

سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں؛

ا۔ معاشی آزادی:

اس نظام معیشت میں جہاں یہ ثابت ہو گیا کہ ہر فرد کو نجی ملکیت میں اختیار حاصل ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر فرد کو معاشی جدوجہد میں بھی پوری آزادی حاصل ہے۔ فرد (یا افراد) اپنے وسائل کو جس طرح چاہیں اختیار کر لیں، ان پر کوئی قدغن اور پابندی نہیں۔ وہ پیشہ یا ذریعہ غلط یا درست، اخلاقی ہو یا غیر اخلاقی سب کو اختیار کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ یہ ریاست کے قوانین اور معاہدات کے خلاف نہ ہوں۔ [۲]

۲۔ مسابقت:

اس نظام کا دوسرا اصول مقابلہ و مسابقت ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی کہتے ہیں یہی وہ اصول ہے جو بے قید معیشت میں افراد کی خود غرضی کو بے جا حد تک بڑھنے سے روکتا ہے اور ان کے درمیان اعتدال و توازن کی فضا قائم کی جاتی ہے۔ یہ انتظام فطرت نے خود کیا ہے کہ بہت سوداگروں، صنعت کاروں اور تجار کے درمیان مقابلہ پایا جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے پہ سبقت لے جانے کی دوڑ میں اچھا مال سپلائی کرنے کی تگ و دو کرتے ہیں نیز زیادہ سے زیادہ صارفین کی توجہ کھینچنے کی خاطر جلد مال تیار کر لیتے ہیں اگرچہ اس میں حقیقت کم پائی جاتی ہے اور عموماً یہ کہا گیا ہے کہ قیمتوں میں توازن قائم رہتا ہے۔ مسابقت میں کام کرنے والے اور کام لینے والے بھی اپنی اپنی جگہ مقابلے کی بدولت خود ہی اجرتوں اور تنخواہوں کے متوازن معیار قائم کرتے رہتے ہیں بشرطیکہ مقابلہ کھلا اور آزاد نہ ہو، کسی قسم کی اجارہ داریوں سے تنگ نہ کر دیا جائے۔ [۳]

۳۔ ذاتی منافع کا محرک:

افراد کی معاشی جدوجہد کا ایک محرک ذاتی منافع ہے اور یہ سب سے بڑا محرک ہے چنانچہ جہاں کسی فرد کو زیادہ منافع کی توقع ہو گی وہاں بے دھڑک اپنا سرمایہ لگائے گا اور زیادہ سرمایہ کے حصول کے لیے شب و روز کوشش کرے گا اگر سرمایہ کاری میں ذاتی منافع کا محرک نہ ہو تو کوئی بھی شخص کسی بھی جگہ اپنے سرمایہ کو صرف نہیں کرے

ا۔ اسلام اور جدید معاشی تصورات اور تحریکیں، ڈاکٹر نعیم صدیقی، مکتبہ دانیال اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص:۴۱

2.Ethics and Capitalism, John Bishop, (University of Toronto, Canada,2002),P:199

۳۔ اسلام اور جدید معیشت و تجارت، مفتی تقی عثمانی، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص:۲۲

گا۔ معیشت کے بنیادی مسائل کے حل کے لئے سرمایہ دارانہ نظام نے ذاتی منافع کے محرک کا سہارا لیا۔ اس نظام کا کہنا یہ ہے ہر انسان کو تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں کے لئے بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے، اور اسے اختیار دیا جائے کہ زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لئے جو طریقہ بھی وہ مناسب سمجھے اُسے اختیار کرے، تو مذکورہ مسائل خود بخود ہی حل ہوتے چلے جائیں گے، کیوں کہ ہر شخص زیادہ نفع کی لالچ میں وہی کام کرے گا جس کی معاشرے کو ضرورت ہے، اگر تاجر کو زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنے نفع کی خاطر وہ چیز مارکیٹ میں لائے گا جس کی ضرورت یا طلب زیادہ ہوگی، اسی طرح معاشرے میں انہی اشیاء کی پیداوار بڑھے گی جن کی معاشرے کو ضرورت ہے، اور اتنی مقدار میں ان کی پیداوار ہوگی جتنی اس ضرورت کو پورا کرنے کرنے لئے واقعتاً درکار ہے، آمدنی کی تقسیم کے بارے میں سرمایہ دارانہ نظام کا کہنا ہے کہ عواملِ پیدائش، زمین، محنت، سرمایہ اور آجر یا تنظیم کے درمیان آمدنی کی تقسیم کا عمل انجام پائے گا، بایں طور کہ زمین والے کو کرایہ، محنت کرنے والے کو اجرت، سرمایہ فراہم کرنے والے کو سود اور آجر جو اس عملِ پیدائش کا اصل محرک ہے اُسے منافع دیا جائے، اور عواملِ پیدائش کے معاوضے کا تعین بھی طلب ورسد کی بنیاد پر ہوگا کہ جس کی طلب جس قدر زیادہ ہوگی اس کا معاوضہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ (۱)

۴۔ حکومت کی عدم مداخلت:

سرمایہ دارنہ نظام میں ایک اصول کے تحت حکومت کو تجارتی سرگرمیوں میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔ تاجر جس طرح کام کر رہے ہیں ان کی سرگرمیوں میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے، نہ ان پر حکومت کی طرف سے زیادہ پابندیاں عائد کرنی چاہیئں عام طور پر اس اصول کے لیے (Laisse faire) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے یہ دراصل فرانسیسی زبان کا لفظ ہے یعنی "حکومت کی عدم مداخلت کی پالیسی" اس کے معنی ہیں "کرنے دو" یعنی حکومت سے کہا جا رہا ہے کہ جو لوگ اپنی معاشی سرگرمیوں میں مصروف ہیں وہ جس طرح بھی کام کر رہے ہیں ان کو کرنے دو اس میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالو۔ (۲) حکومت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ لوگوں کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا کہے۔ اور نہ یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ یہ کہے کہ اس طرح تجارت کرو، اس طرح نہ کرو۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام کا اہم اصول ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کا اصل بنیادی فلسفہ یہی ہے۔

۵۔ اجرت:

اس نظام معیشت کے تحت مزدور اور محنت کار آلات پیدائش کے مالک نہیں ہوتے بلکہ وہ آجر کے پاس

۱۔ معیشت واقتصاد کا اسلامی تصور، محمود احمد ظفر، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۶، ص:۷۵

۲۔ اسلام اور جدید معیشت وتجارت، مفتی تقی عثمانی، ص:۶۶

صرف اجرت پر کام کرتے ہیں اس سے محنت کش روزگار اور شرائط روزگار کے لیے مکمل طور پر آجر کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آجر کے لیے محنت کشوں اور مزدوروں کا استحصال (Exploitation) آسان ہو گیا۔ اس کا ازالہ مزدور یونینوں (workers unions) کے قیام سے پورا ہو گیا اگرچہ یونین لیڈرز بھی آجر سے مل کر مزدوروں کے استحصال میں مدد دیتے ہیں لیکن پھر بھی اس سے کافی فرق پڑا ہے۔[1]

۶۔ قیمتوں کی میکانیت:

سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں اقتصادی سرگرمیوں کا رخ متعین کرنے میں سب سے اہم اور موثر کردار قیمتوں کی میکانیت کا ہے۔ وہی چیزیں پیدا کی جاتی ہیں جو آجر کے لیے منافع کا باعث بن سکیں۔ قومی اور اجتماعی مفاد اس بارے میں ثانوی اہمیت رکھتا ہے۔ اشیاء کی عاملین پیدائش کے معاوضوں اور تنخواہوں کا تعین بھی قیمتوں کی میکانیت کے تحت ہوتا ہے۔ جن عاملین پیدائش کی رسد ان کی طلب سے کم ہو گی ان کے معاوضے بھی کم ہوں گے اور جن کی طلب اس کی رسد سے زیادہ ہو گی ان کے معاوضے بھی زیادہ ہوں گے جن عاملین کے معاوضے زیادہ ہوں گے ظاہر ہے کہ آمدنی میں ان کا حصہ بھی زیادہ ہو گا۔[۲] آجر اپنا منافع زیادہ سے زیادہ کرنے کے لیے عاملین پیدائش کا وہی اشتراک منتخب کرتا ہے جس پر اس کی لاگت اور خرچہ کم سے کم ہو۔ وہ ایک طرف تو اپنی لاگت یعنی مصارف پیدائش دیکھتا ہے اور دوسری طرف اشیاء کی قیمتوں پر نظر رکھتا ہے۔ اس سے نہ صرف اسے پیدا کی جانے والی اشیاء کی نوعیت بلکہ اس مقدار کا تعین کرنے میں بھی بڑی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ قیمتوں کی مکانیت کا یہ خودکار نظام سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں معاشی سرگرمیوں کو رواں دواں رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام معاشی ترقی میں رکاوٹ:

سرمایہ دارانہ نظام پاکستان کی معاشی ترقی میں رکاوٹ ہے اس نظام کی وجہ سے ملک میں غربت اور بے روزگاری پھیلی ہے اور عوام کا آدھے سے زیادہ حصہ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہا ہے۔

ا۔ غربت:

حکومت نے چونکہ اپنے انتظامی اور مالی معاملات چلانے ہوتے ہیں، اس لیے اسے استعمال کی چیزوں پر ٹیکس لگانا پڑتا ہے، جیسے پاکستان میں ہم ہر استعمال کی چیز صابن شیمپو، آئل، آٹا، گھی، دالیں، چاول وغیرہ پہ ۱۷٪ GST دیتے ہیں۔ اب ایک سرمایہ دار بھی ۱۷٪ ٹیکس دے رہا ہے، اور غریب بھی، تو امیر کو تو فرق نہیں پڑتا وہ اپنی

1.A companion to apllied health ,Frey Christopher,(blackwell, publishing USA,2003) ,P:67

۲۔ معاشیات، مظفر حسین ملاٹھوی، مکتبہ اردو بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص:۶۸

زیادہ آمدن کا کم خرچ کر پاتا ہے، اور زیادہ بچت سے اپنے اثاثوں میں اضافہ کرتا جاتا ہے۔ جبکہ ایک غریب آدمی اپنے اخراجات ہی مشکل سے پورے کرتا ہے۔ سرمایہ دار اپنے ذرائع آمدن بڑھا کر کیسے غریب آدمی کا خون چوستا ہے، مثال کے طور پر بیس سال پہلے پاکستان میں گھروں میں صاف پانی ملتا تھا۔ ریسٹورانٹس میں بھی پانی فری دستیاب ہوتا تھا۔ بس اڈوں، اور ریلوے اسٹیشن پہ ٹھنڈے پانی کی ٹینکیاں ہوتی تھی۔ پھر ایک غیر محسوس طریقے سے یہ سب کچھ ختم کر دیا گیا۔ اور منرل واٹر کی بوتلیں فروخت ہونے لگی۔ اب ریسٹورانٹس میں کھانے کے ساتھ پانی بھی خریدنا پڑتا ہے۔ گھروں میں استعمال کے لیے ٹینکر خریدنے پڑ رہے ہیں۔

یہی سرمایہ دار غریبوں سے سستا خام مال خریدتے ہیں، اور دوبارہ عوام کو مہنگی مصنوعات فروخت کرتے ہیں، مثلاً حکومت نے گنے کا ریٹ رکھا تھا ۱۸۰ روپے، لیکن فیکٹریاں انہیں سرمایہ داروں کی ہیں، انہوں نے گنا خریدا ۱۲۰ روپے۔ لیکن قیمتِ خرید میں ۱۸۰ روپے ہی رہا۔ جب مارکیٹ میں چینی کی قیمت طے ہوتی ہے، تو ۱۸۰ کے حساب سے ہوتی ہے۔ یوں یہ سرمایہ دار دونوں ہاتھوں سے غریبوں کو نچوڑتے ہیں۔[1] پھر یہ صنعتوں کو کارپوریشنیں بنا کر سٹاک مارکیٹ میں شیئر فروخت کرتے ہیں، اور ۵۱٪ فیصد شئیر اپنے پاس رکھ کر انتظامی امور اپنے پاس رکھتے ہیں، چھوٹے سرمایہ داروں کو شیئر فروخت کر کے بہت سارا سرمایہ اکٹھا کرتے ہیں، اپنی صنعتوں کو ترقی اور بڑھوتری دیتے ہیں، اور کبھی خسارے ظاہر کر کے چھوٹے سرمایہ داروں کو بھی لوٹ لیتے ہیں۔

اسی طرح سرمایہ دار بینک بیلنس بناتے ہیں، غریبوں کی جمع پونجیاں بینک میں جمع کرتے ہیں۔ اور بیٹھے بٹھائے سرمائے کے مالک بن جاتے ہیں، انہی پیسوں سے سودی قرضے دیتے ہیں، اور بنا کچھ محنت کیے لوگوں کی جیبوں سے پیسے نکال لیتے ہیں۔ پھر بیمہ کمپنیاں بناتے ہیں، اور ایک دفعہ پھر غریبوں پہ ہاتھ صاف کر جاتے ہیں، یہ سارا سودی کاروبار ہوتا ہے، جو مصنوعی سرمایہ پیدا کرتا ہے۔ مصنوعی سرمایہ خسارے کا سبب بنتا ہے، یہ خسارے پورے کرنے کے لیے حکومتوں کو بجلی گیس اور دوسری استعمال کی چیزوں پہ ٹیکس بڑھانے پڑتے ہیں، جس سے غریب ہی کچلا جاتا ہے، امیر کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب سرمایہ اور بہت سارے اثاثے سرمایہ داروں کی ملکیت میں آجاتے ہیں، تو پھر وہ اپنی مرضی کی قیمتیں طے کرتے ہیں، جیسے اگر میرے پاس دس گھر ہوں گے تو میں اپنی مرضی کی قیمت مانگوں گا۔ ایسے سرمایہ دار رئیل اسٹیٹ بناتے ہیں، اپنی مرضی کی قیمتیں طے کرتے ہیں۔ اور دوبارہ غریبوں کی جیبوں سے پیسے نکال لیتے ہیں، دوسری طرف اوسط درجے کا شہری گھر نہیں خرید پاتا، کیونکہ مارکیٹ میں مقابلے کے رجحان کی وجہ سے، سرمایہ دار پراپرٹی قیمتیں بہت زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔ اس وقت حکومتِ پاکستان غریب اور تقریباً ۲۰۰ خاندان ایسے ہیں جو ملک سے زیادہ امیر ہیں۔

۱۔ معاشیات، مظفر حسین ملاٹھوی، ص:۶۸

سرمایہ داری نظام میں چیزوں کی قیمتیں ڈیمانڈ اینڈ سپلائی کے قانون سے طے ہوتی ہیں۔ یعنی ایک چیز کی ڈیمانڈ زیادہ ہے اور سپلائی کم ہے تو وہ چیز مہنگی ہو گی، چاہے اس کی مینوفیکچرنگ کاسٹ کم ہو۔ اسی طرح ایک چیز کی سپلائی زیادہ ہے اور ڈیمانڈ کم تو وہ چیز سستی ہو جائے گی۔ یہ اصول بظاہر تو بالکل ٹھیک ہے، لیکن سرمایہ دار اس اصول کی بھی دھجیاں اڑا دیتے ہیں، کسی چیز کی قیمت بڑھانی ہو تو مارکیٹ میں مصنوعی بحران پیدا کر دیا جاتا ہے، جیسے کبھی کبھی کسی خاص دوائی کا ریٹ بڑھانا ہو تو وہ دوائی مارکیٹ سے غائب ہو جاتی ہے، بالآخر جب مہنگی ہو جاتی ہے تو مارکیٹ میں آ جاتی ہے۔ جیسے جنرل مشرف کے دور میں آٹے اور چینی کے مصنوعی بحران پیدا کیے گئے اور لوگوں کو لائنوں میں لگنے پہ مجبور کیا گیا۔ حالانکہ مشرف دور میں پاکستان نے تیز رفتار ترقی کی اور قرضے بھی اترے، لیکن سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے غریبوں تک فوائد نہ پہنچ سکے۔ (۱)

اس وقت پوری دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے بحران پیدا ہو چکا ہے۔ ۲۰۱۳ء میں امریکی بجٹ ۱۳ کھرب ڈالر تھا جبکہ حکومتی خسارا ۱۶۱ کھرب ڈالر تھا۔ جبکہ امریکی معیشت دنیا کی نمبر ون معیشت ہے۔ یورپی ممالک جو بظاہر ہمیں ترقی یافتہ نظر آتے ہیں، وہاں بھی کچھ لوگ بہت زیادہ امیر ہیں اور باقی غریب، امیر وہاں بھی غریب کا استحصال کرتے ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ چوریاں اور ڈاکے امریکی اور یورپی ممالک میں ہوتی ہیں۔ اگر وہ ملک ترقی یافتہ ہیں تو یہ سب کیوں۔ کیونکہ غریب کو اپنا پیٹ پالنے کے لیے یہ سب کرنا پڑتا ہے۔ انڈیا دنیا کی پانچویں بڑی معیشت بن کر ابھرا ہے۔ لیکن اگر آپ سرچ کریں تو آپ کو پتہ لگے گا کہ انڈیا میں ۶۰٪ لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارتے ہیں۔ ۷۸.۴۸ ملین لوگ فٹ پاتھ اور ریلوے سٹیشنوں پہ زندگی گزارتے ہیں۔ (۲)

۲۔ بے روزگاری:

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں بے روزگاری کی شرح آٹھ فیصد ہے لیکن حقیقی صورتحال اس کے برعکس ہے۔ غیر سرکاری ماہرین معیشت کے مطابق یہ شرح پندرہ سے بیس فیصد ہے، جب کہ ملک کے پسماندہ اضلاع میں شرح تیس فیصد سے پچاس فیصد تک ہے۔ ملک میں بے روزگاروں کی ایک مستقل فوج موجود ہے، جن میں ہر سال بیس لاکھ نوجوانوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان دنیا کے ان چند ممالک میں شامل ہے جہاں آبادی کا ستر فیصد نوجوانوں پر مشتمل ہے، جو اگلے چند سال میں محنت کی منڈی میں داخل ہوں گے، مگر ان کے پاس روزگار کے مواقع نہیں ہوں گے۔ سرمایہ دارانہ معیشت ان تمام نوجوانوں کو روزگار فراہم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ بے روزگاری کی موجودہ شرح پر قابو پانے کے لیے اور مستقبل میں روزگار کی فراہمی کے لیے جس قدر صنعتی ترقی درکار

۱۔ سرمایہ دارانہ نظام کے مضر اثرات، ڈان نیوز، عشرت حسین، ۱۲ جنوری ۲۰۱۷ء

2.http.www.globaleconomy.intr.com,12 May 2013,9:40am.

ہے، وہ سرمایہ داری نظام کے اندر ممکن نہیں۔ جس ملک میں صنعتیں بند ہو رہی ہوں اور نئے شروع ہونے والے ہر سو میں سے ستر کاروبار پہلے چھ ماہ میں بند ہو جاتے ہوں، اس نظام میں رہتے ہوئے بے روزگاری کا خاتمہ محض ایک دھوکا ہے۔ بے روزگاری کا مکمل خاتمہ صرف اور صرف منصوبہ بند معیشت اور مزدور جمہوریت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ منصوبہ بند معیشت وہ بنیادی مادی حالات اور وسائل فراہم کرے گی جن کی بنیاد پر وہ معاشی پالیسیاں اپنائی جائیں گی جو بے روزگاری کا خاتمہ کر سکیں گی۔ نئی صنعتوں کے قیام اور تیز رفتار معاشی ترقی کے ذریعے روزگار کے وافر مواقع پیدا کرنا ہوں گے تاکہ بے روزگاروں کی فوج کو روزگار فراہم کیا جاسکے۔ بیس سال سے زائد عمر کے تمام بے روزگاروں کو بے روزگاری الاؤنس دینا ہو گا تاکہ روزگار کی فراہمی تک وہ بے روزگاری اور غربت کی لعنت سے بچے رہیں۔ زرعی شعبے کی از سر نو تعمیر اور تنظیم اور جاگیرداری نظام کے مکمل خاتمے، زمینوں کی تقسیم اور رضاکارانہ بنیادوں پر اجتماعی کاشت کاری کے ذریعے روزگار کے لاکھوں نئے مواقع پیدا کرنے ہوں گے، بچوں کی مشقت کا مکمل خاتمہ اور جبری مشقت کی تمام شکلوں اور قسموں پر مکمل پابندی کے ذریعے روزگار کے نئے مواقع پیدا کرنے ہوں گے۔ تعلیم اور تربیت کی مفت فراہمی کو یقینی بنانا ہو گا۔ ان اقدامات کے ذریعے ایک حد تک افراط زر اور بے روزگاری پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ [1]

۳۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم:

سرمایہ دارانہ نظام کی ایک بڑی خرابی دولت اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم ہے اس طرح معاشرے میں دو طبقات بقول مارکس Haves اور Have not پیدا ہوتے ہیں یعنی ایک طبقہ وہ جسے تمام آسائشات دینوی حاصل ہیں اور دوسرا طبقہ جس کے پاس کھانے کے لیے روٹی بھی نہیں ہوتی۔ جب معاشرے سے اس طرح طبقات پیدا ہوں گے تو معاشرے میں ظلم و ستم عام ہو گا تو اس سے مزید برائیاں پیدا ہوتی ہیں پاکستان کی معیشت کے عدم استحکام کی سب سے بڑی وجہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کی وجہ سے اس کی گردش معاشرے کے نچلے طبقے تک سرایت نہیں کر پا رہی ہے۔ دولت کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے صحت، تعلیم اور معیار زندگی پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا اندازہ درج ذیل شمارے سے لگایا جاسکتا ہے۔

- سن ۲۰۰۵ء میں ترقی پذیر ممالک میں غربت کی وجہ سے ۷۲ ملین بچے سکولوں میں داخلہ نہ لے سکے جن میں ۵۷ فیصد تعداد بچیوں کی تھی۔ [2]

۱۔ افراط زر، مہنگائی اور بے روزگاری، زبیر رحمن، (کالم)، ایکسپریس نیوز، ۲۴ مارچ ۲۰۱۸ء

2.The State of the world,s children, 1999,UNICEF

- ترقی کے اس دور میں بھی غربت کی بدولت لوگوں کا معیار زندگی اس قدر پست ہے کہ ایک ارب افراد کچی بستیوں میں رہائش پذیر ہیں دنیا کی کوئی آدھی یعنی تین ارب سے زیادہ آبادی صرف ۲.۵ ڈالر فی یومیہ پر گزارہ کرتی ہے۔ (۱)
- دنیا میں کل بچوں کی تو تعداد ۲.۲ بلین ہے جن میں سے ایک بلین یعنی ہر دوسرے بچے کو مناسب خوراک، اور صاف پانی کی بھی سہولیات بھی میسر نہیں ہیں جبکہ ۶۴۰ ملین یعنی (ہر تین میں سے ایک بچہ) مناسب چھت کے بغیر رہتا ہے۔ (۲)
- دنیا میں ۱۱ ارب ۷۰ کروڑ افراد کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں۔ یہ افراد گندا پانی پیتے ہیں جو کہ نالوں یا جوڑوں سے حاصل کیا جاتا ہے جس کے باعث بیماریاں پھیلتی ہیں اور ان بیماریوں کی وجہ سے لوگوں کی ہلاکتیں ہوتی ہیں۔ (۳)
- ۱۲۱ ملین بچے ایسے ہیں جن کو سرے سے ہی تعلیم تک رسائی حاصل نہیں۔ (۴)

ان نکات سے با آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک طرف ترقی پذیر ممالک میں بنیادی سہولیات تک میسر نہیں ہیں جبکہ دوسری طرف چند لوگوں نے عالمی وسائل پر قبضہ کیا ہوا ہے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ میں ہیں۔ پاکستان کا شمار بھی ترقی پذیر ممالک میں ہوتا ہے ہماری حکومت اور معاشی ماہرین بھی آئی ایم ایف کے در پر حاضری دینے والوں میں شامل ہیں۔ دنیا میں اس وقت تقسیم دولت کا عمل سرمایہ دارانہ نظام کے تحت ہو رہا ہے اس لیے اس نظام کے اندر پائی جانے والی خرابیوں کی بدولت دولت کی منصفانہ تقسیم میں عملاً ناکام ثابت ہوا ہے۔ اس غیر منصفانہ تقسیم کی بدولت غریب، غریب سے غریب تر اور امیر، امیر سے امیر تر ہوتا رہتا ہے۔

۴۔ سود کی ہلاکت خیزی:

سرمایہ دارانہ نظام کو جو چیز بہم پہنچا رہی ہے وہ "سود" ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت افراد کو یہ اختیار حاصل ہے وہ اپنی دولت کو اکٹھا کریں اور پھر اسے سود پر کسی ضرورت مند کو دیں۔ سود ایک ناسور کی حیثیت سے بھی معاشروں میں چل رہا تھا لیکن دور جدید کے نظام کا خاصہ یہ ہے کہ اس نے سود جیسی برائی کو عین بھلائی میں اور اس

1.http.www.globalissues.org.15 oct 2005,4:00pm

2.Human Development Report (HDR), (United Nations Developments Program, November 27, 2007), 25

3.United nations Human Development Report,2006 ,P:6

4.http.www.theguardian.com,19 Aug 2009,8:20am

ظلم کو عین خدمت میں بدل دیا ہے۔[1] چنانچہ معاشی نظام کو اس طرز پر ڈھالا گیا ہے کہ سوسائٹی بجائے پوری انسانیت کی پاسبان بننے کے صرف سود خوروں اوران کے ساتھیوں کی محافظ بن کر رہ گئی ہے۔اس وجہ سے معاشرے میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا جو عام لوگوں سے ہر طرح کا نفع حاصل کرتا مگر ان لوگوں کی مشکلات میں شریک نہیں ہوتا۔اسے اگر کوئی غرض ہے تو اپنے "معین معاوضہ" سے وہ جب یہ دیکھتاہے کہ کاروبار ترقی کر رہاہے تو پھر بے دریغ اپناروپیہ لگا تاہے۔اس طرح شرح سود بڑھتی اور نفع کم ہو جاتا ہے۔اپنی ہی کرم فرمائیوں" سے جب کاروبار سرد پڑنے لگتاہے پھر یہ ظلم بجائے سماج کی امداد کرنے کے ان پر اشوب حالات میں اپنا لگایا ہوا سرمایہ واپس لینا شروع کر دیتاہے۔سرمایہ کاری میں کمی ہو جانے کی وجہ سے سوسائٹی میں کام کا دائرہ اور بھی سکڑ جاتا ہے۔یہاں تک کہ ساری دنیا پر سخت کساد بازاری کی آفت پڑتی ہے۔قرضوں میں اضافے کی موجودہ شرح دیکھتے ہوئے پیش گوئی کی گئی ہے کہ جون ۲۰۲۰ء تک کُل بیرونی قرضے موجودہ ۷۴ ارب ڈالر کے حجم سے بڑھ کر ۱۱۰ارب ڈالر تک پہنچ جائیں گے۔جو کہ معیشت کی موجودہ کیفیت دیکھتے ہوئے انتہائی خطرناک حد ہے اور معیشت کو ایک دم سے گرانے کا موجب بن سکتی ہے۔ان قرضوں کے بوجھ تلے دبی معیشت کا سب سے اہم امتحان ان کی سود سمیت واپسی کے لیے درکار رقم کی فراہمی ہے۔پاکستان کی معیشت کی حالت یہ ہے کہ قرضوں اور ان پر سود واپس کرنے کے لیے بھی قرضے لیے جاتے ہیں۔وزارت خزانہ کے مطابق آئندہ ۱۵ماہ میں حکومت نے صرف اصل رقم کی مد میں ۶.۵ ارب ڈالر واپس کرنے ہیں۔جبکہ سود کی ادائیگیاں اس کے علاوہ ہیں۔بیرونی ممالک میں نجی شعبے کو واپس کیے جانے والے قرضے اس کے علاوہ ہیں۔[2]

پاکستان کے زرمبادلہ کے ذخائر بھی تیزی سے کم ہو رہے ہیں ۔اس وقت زرمبادلہ کے ذخائر ۱۷ارب ڈالر سے گر چکے ہیں اور ۱۶ ارب ۸۵ کروڑ ڈالر تک پہنچ چکے ہیں۔بیرونی قرضوں کی ادائیگیوں، برآمدات اور تارکین وطن کی بھیجی گئی رقوم میں متوقع گراوٹ کے باعث ان ذخائر میں مزید کمی ہو گی۔[3]

۵۔ارتکاز دولت:

کوئی بھی ملک و قوم اقتصادی طور پر تب ہی بہتر ہو سکتی ہے جب قوم کے تمام افراد کو بنیادی ضروریاتِ زندگی حاصل ہوں اور کوئی فرد ضروریات زندگی سے محروم نہ ہو۔ اسی طرح قوم کے محدود چند افراد کے پاس دولت اور ضروریات کے انبار لگے ہوں اور اکثر افراد ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں تو یہ قومی حیثیت سے

۱۔اسلام اور سرمایہ داری میں جنگ، صابر نظامی، مکتبہ غوثیہ کارپوریشن لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص:۲۳۰

۲۔پاکستان قرضوں اور سود کی دلدل میں دھنستی معیشت، آدم پال،(کالم)، ۱۵مارچ ۲۰۱۵ء

۳۔ایضا

اقتصادی الخطاط ہے، ترقی نہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کا یہ خاصہ ہے کہ وہ دولت کو چند افراد یا خاندانوں میں محدود رکھتا ہے جس کو وہ افراط کے ساتھ شیطانی اور مسرفانہ اخراجات میں صرف کر دینے کے باوجود ختم نہیں کر سکتے اور قوم کی باقی اکثریت مفلوک الحال ہوتی ہے غربت وافلاس کا دائرہ اس نظام کی وسعت کے انداز پر ہو گا۔ جس قدر ممالک اور اقوام پر سرمایہ دار ملک بالذات یا بالواسطہ اقتدار قائم کرلیتا ہے سرمایہ دارانہ نظامِ دولت کے خون کو جذب کرنے میں ایک طاقتور جونک کی طرح ہے کہ جہاں اس کا اثر پہنچا وہاں سے اس نے دولت کا خون چوس لیا۔ (۱)

آج کل دنیا کے اکثر حصوں پر بالذات یا بالواسطہ سرمایہ دار ملکوں کا اثر ہے اس لیے دنیا کی پوری آبادی کی اکثریت فاقہ میں مبتلا ہے اگرچہ مشینی آلات زراعت اور آبپاشی کے سائنسی وسائل کے ذریعہ زمینی پیداوار بڑھانے میں انتہائی کوشش کی گئی ہے اور کی جارہی ہے پھر بھی ان کو سرمایہ دارانہ نظام کی لائی ہوئی بھوک دور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی جس کی بڑی دلیل اقوامِ متحدہ کی سماجی رپورٹ کراچی ۱۷ مئی ۱۹۵۳ء ہے جس میں درج ہے کہ دنیا کی نصف آبادی فاقہ کشی اور ضروریاتِ زندگی سے محرومی کے سبب بیماریوں کا شکار ہے۔ معلوم ہوا کہ دنیا کی نصف آبادی کے پاس نہ ہی خوراک اور نہ علاج کے لیے دوا کی قیمت ہے۔ (۲) سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت زمین کی مجموعی دولت بقدر ضرورت تمام انسانوں کے حصہ میں نہیں آتی بلکہ چند مہاجنوں، کارخانہ داروں اور سودخوروں میں بند ہو گئی ہے دولت اجتماعی زندگی کے لیے ایسی ہے جیسے خون شخصی زندگی کے لیے۔ اگر بدن سے حاصل شدہ خون کسی ایک عضو میں بند ہو جائے تو باقی اعضاء کی نشو ونما کے لیے کیا بچے گا؟ اور ایسی صورت میں ان کا کیا حال ہو گا؟ اسی طرح انسانیت بھی ایک واحد وجود ہے اور مختلف طبقات مختلف اعضاء ہیں۔ اگر ایک طبقہ یعنی امراء انسانی زندگی کی اصل یعنی وسائل رزق کو ہتھیا لیتا ہے تو باقی طبقوں کی محرومی یقینی ہو جاتی ہے۔ دنیا کے مختلف امیر ترین افراد کی دولت سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں ہی سمٹی ہوئی ہے۔

1.Bill gates , net worth (usd),,75.0 billion, USA , Microsoft (Income source)

2.Carlos sulim, 67.0 billion , Mexico , movil group of carso (Income source)

3.Mark zukrberg, 44.6 billon, USA , facebook, (Income source)(3)

ارتکاز دولت معاشرے میں عدل وانصاف کے خاتمے کا سبب بنتا ہے۔

۱۔ اسلام اور سرمایہ داری میں جنگ، صابر نظامی، ص:۲۳۰

۲۔ ایضا

3.United nations Human Development Report,20 feb 2006,

معاشی عدل وانصاف کا ختم ہو جانا:

معاشی عدل وانصاف سے مراد ہے کہ وسائل رزق اور معیشت پر چند افراد کی اجارہ داری نہ ہو بلکہ معاش کی راہیں سب کے لیے یکساں طور پر کھلی ہوں۔مال خرچ کرنے میں افراط و تفریط یا فضول خرچی و بخل سے بچا جائے اور میانہ روی اختیار کی جائے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا﴾[1]

ترجمہ: اور جب وہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو نہ ہی فضول خرچی کرتے اور نہ ہی کنجوسی کرتے ہیں، ان کا طرز عمل میانہ روی کا ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں مال کو انسانی زندگی کی اصل بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾[2]

ترجمہ: تم نادانوں کے ہاتھ میں مال مت دو جس سے تمہاری زندگی قائم ہے۔

آج کل انسانی اموال پر تقریباً بے وقوفوں کا قبضہ ہے جس کو بیجا اڑا کر خرچ کرتے ہیں اجتماعی زندگی کے لیے جس طرح خون شخصی زندگی کے لیے مادہ حیات ہے تو مادہ حیات چند افراد یا خاندانوں میں بند ہو جانا معقول ہے بلکہ خون کی طرح اس کی گردش اور حرکت ضروری ہے قرآن مجید نے مالِ غنیمت پوری فوج پر تقسیم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾[3]

ترجمہ: تاکہ مال صرف دولت مند طبقے میں چکر نہ لگائے بلکہ دیگر افراد بھی اس سے متمتع ہو سکیں۔

قرض کا بڑھ جانا:

جب دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے تو قرض بڑھنے لگتے ہیں۔ آج ملک پاکستان میں ارتکاز دولت اور معاشی ناہمواریوں کی بدولت قرضہ اس قدر بڑھ چکا ہے کہ جسے ادا کرنے کے لئے بجلی، گیس، پٹرولیم کی مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کیا جارہا ہے جس کا براہ راست اثر غریب عوام پر پڑ رہا ہے۔ پاکستان میں ۲۰۰۷ء سے لے کر اب تک اندرون اور بیرون ملک حاصل کیے گئے حکومتی قرضوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ سورۃ الفرقان:۲۵/۶۷

۲۔ سورۃ النساء:۴/۵

۳۔ سورۃ الحشر:۵۹/۷

پیپلز پارٹی نے اپنے پانچ سالہ دور میں اندرون ملک ۵۳۱۶ ارب جبکہ بیرونی ۱۸ اعشاریہ ۹۵ ارب ڈالر قرضہ لیا۔ ن لیگ نے اپنے پانچ سالہ دور میں ۸۷۷۸ ارب روپے اندرونی جبکہ ۱۶ اعشاریہ ۷۸ ارب ڈالر بیرونی قرضہ لیا۔ تحریک انصاف نے جولائی ۲۰۱۸ سے جون ۲۰۱۹ تک اندرونی ۴۳۱۳ ارب روپے جبکہ بیرونی ۱۳ اعشاریہ ۲۱ ارب ڈالر قرض لیا۔ موجودہ دور حکومت میں سعودی عرب، یو اے ای اور قطر سے حاصل کردہ قرضوں کی تفصیل بھی پیش کی گئی ہے جس کے مطابق سعودی عرب نے نومبر اور دسمبر ۲۰۱۸ میں ۲ ارب ڈالر قرض ۳ فیصد سود پر دیا اور جنوری ۲۰۱۹ میں ایک ارب ڈالر قرض پاکستان کو دیا۔ یو اے ای نے جنوری اور مارچ ۲۰۱۹ میں ایک ایک ارب ڈالر قرض ۳ فیصد سود پر دیا جبکہ قطر نے جون ۲۰۱۹ میں ۵۰۰ ملین ڈالر قرض ۳ فیصد سود پر دیا۔ (۱)

۶۔ افراطِ زر کا بڑھ جانا:

افراطِ زر کی حقیقی شرح سرکاری اعداد و شمار سے کہیں زیادہ ہے۔ محنت کش عوام مہنگائی کی چکی میں پس رہے ہیں۔ بنیادی ضروریاتِ زندگی اور خوراک آبادی کی اکثریت کی پہنچ سے دور ہو چکی ہیں۔ روز بروز بڑھتی مہنگائی نے محنت کش عوام کا جینا محال کر دیا ہے۔ اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ جاری ہے۔ خسارے کو پورا کرنے کے لیے بالواسطہ ٹیکسوں کا مسلسل نفاذ ہو رہا ہے۔ یہ خسارہ قرضوں کی ادائیگی اور ریاستی شاہ خرچیوں کے باعث مسلسل بڑھ رہا ہے۔ ان بالواسطہ ٹیکسوں کے نفاذ کے اثرات ایندھن، توانائی اور دوسرے بنیادی شعبوں پر پڑ رہے ہیں، جس کے نتیجے میں اجناس اور ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کرنسی نوٹوں کی اشاعت میں غیر معمولی اضافہ کر کے بجٹ کے خسارے کو مصنوعی طور پر پورا کیا جا رہا ہے، جس سے مہنگائی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ تجارتی خسارے میں مسلسل اضافہ، درآمدات اور برآمدات کی حالیہ شرح کے باعث حاوی عالمی کرنسیوں کے مقابلے میں روپے کی قدر میں کمی بھی افراطِ زر کا باعث بن رہی ہے۔ سابقہ قرضوں کی ادائیگی کے لیے نئی شرائط کے تحت قرضوں کے حصول اور عوام دشمن معاشی پالیسیوں نے ملکی معیشت کو اور بھی ہلکان کر دیا ہے۔ مروجہ نظام میں یہ بوجھ مزید بڑھ کر عوام اور معیشت کا خون نچوڑتا رہے گا۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور ملکی سرمایہ دار اپنے منافعوں کی شرح میں اضافے کے لیے مصنوعی طور پر اپنی پیداوار کی قیمتوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں ناجائز کمائی کی وجہ سے مثلاً رشوت، قمار بازی، عقودِ فاسدہ، سمگلنگ وغیرہ کی وجہ سے ایک خاص طبقہ میں افراطِ زر پیدا ہو جاتا ہے جس سے ضروریاتِ زندگی کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اور عوام قوتِ خرید نہ ہونے کی وجہ سے ضروریات کی خرید سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ غربت و افلاس اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (۲)

۱۔ پاکستان کے قرضوں کی تفصیلات، ایکسپریس نیوز، ۱۶ دسمبر ۲۰۱۹ء

۲۔ افراطِ زر، مہنگائی اور بے روزگاری، زبیر رحمن، (کالم)، ایکسپریس نیوز، ۲۴ مارچ ۲۰۱۸ء

۷۔ بغاوتی رجحان:

عوام جب محنت کر کے بھی افراطِ زر اور اشیائے صرف کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے اس کو نہیں خرید سکتے اور باوجود مشقت کرنے کے بھوک اور افلاس میں مبتلا رہتے ہیں تو اجرتِ عمل کے اضافہ کے لیے ہڑتالوں کی نوبت آجاتی ہے جب اس سے بھی مقصد پورا نہیں ہوتا تو ان کے جذبہ عمل اور جوشِ محنت میں کمی پیدا ہو جاتی ہے جس سے کسبِ حال کی تحریک کمزور ہو جاتی ہے اور برآمد کی کمی کی وجہ سے عمومی معاشی حالت خراب ہو جاتی ہے سرمایہ دار ممالک میں روزمرہ ان امور کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔[۱]

سرمایہ دارانہ نظام کے معیشت پر منفی اثرات:

سرمایہ دارانہ نظام کے جو منفی اثرات ملک و قوم پر پڑتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱)۔ مذہب کو نظام سیاست و معیشت سے خالی ہاتھ کر کے گرجاؤں مسجدوں اور خانقاہوں میں گوشہ نشین کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ ناجائز نفع اندوزی میں رکاوٹ نہ بنے۔

(۲)۔ اس نظام میں تجارت و صنعت اور دولت کی گردش سود، سٹہ، قمار کی بنیادوں پر ہوتی ہے۔ ان چیزوں کی وجہ سے پورے ملک میں وسائل پیداوار اور دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔

(۳)۔ بڑے سرمایہ داروں کی پالیسیوں کی وجہ سے چھوٹے تاجر اور سرمایہ دار کاروبار کو ترقی نہیں دے سکتے۔ بالآخر تاجر اور صنعت کار کارخانے بند کر کے بیٹھ جاتے ہیں یا بڑے سرمایہ داروں کی تجارتی پالیسیوں کے تابع ہو کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

(۴)۔ غریب کی غربت اور سرمایہ داری کی دولت روز افزوں بڑھتی رہتی ہے اور متوسط طبقہ روز بروز کم اور بے دست وپا ہوتا چلا جاتا ہے بعض لوگوں کا معیار زندگی بہت بلند ہوتا ہے تو بعض کا انتہائی پستی میں چلا جاتا ہے

(۵)۔ گھریلو دستکاریاں اور آبائی پیشے ختم ہو جاتے ہیں اور لوگ دوسروں کے دست نگر بن کر نوکریاں کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ملازمتوں کی طلب بڑھ جاتی ہے اور مزدوری کے طلبگاروں میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن مشین کے روز افزوں استعمال کے باعث انسانی محنت کی کھپت روز بروز کم ہونے لگتی ہے۔ جس سے ملک میں بے روزگاری پھیلتی ہے اور مزدور کم اجرت پر زیادہ محنت کا سودا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۱۔ سرمایہ دارنہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی نظام سے موازنہ، شمس الحق افغانی، ادارہ البحوث والدعوۃ، کوہاٹ، ۲۰۰۵ء ص:۲۵

خلاصہ بحث:

اس فصل میں سرمایہ دارانہ نظام کا مفہوم بیان کرنے کے بعد اس نظام کی ان خرابیوں کو ذکر کیا گیا ہے جو معاشی ترقی میں رکاوٹ کا سبب ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام بے روزگاری کی ایک اہم وجہ ہے کیونکہ اس نظام کے تحت ذرائع پیداوار ایک مقام سے دوسرے مقام تک آزادنہ منتقل نہیں ہو پاتے اور لوگ بے روزگار ہو جاتے ہیں اوراس نظام کے تحت امیر امیر ہوتا چلا جاتا ہے اور غریب غربت کی چکی میں پس رہا ہوتا ہے۔اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کی تقسیم منصفانہ طور پر نہیں کی جاتی اور معاشرہ مختلف طبقات میں بٹ جاتا ہے جس میں ایک طبقے کے ہاں تمام سہولیات موجود ہوتی ہیں اور دوسرا طبقہ روٹی کا بھی محتاج ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام سے سود اور ارتکاز دولت جیسی خرابیوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور مال گردش کرنے کے بجائے چند ہاتھوں میں جمع رہتا ہے اور یہی ارتکاز دولت معاشرے میں مختلف بیماریوں کا سبب بنتا ہے اسی ارتکاز دولت ی وجہ سے معاشرے میں عدل و انصاف کا خاتمہ، قرضوں کی شرح میں اضافہ اور افراط زر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ان تمام خرابیوں کو مد نظر رکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ سرمایہ دارانہ نظام محض معاشی ترقی میں رکاوٹ کا سبب ہے۔

فصل سوم

جاگیر دارانہ نظام کا رواج

فصل سوم:

جاگیر دارانہ نظام کارواج

وہ معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی نظام جو جدید حکومتوں کے قیام سے پہلے یورپ اور ایشیا کے اکثر ملکوں میں رائج تھا اس نظام کی بعض خصوصیتیں یہ تھیں کہ بادشاہ کی طرف سے مختلف افراد کو ان کی خدمات کے صلے میں زمینوں کے وسیع رقبے جاگیر کے طور پر عطا کیے جاتے تھے۔ یہ جاگیر دار اپنی جاگیر میں رہنے والے مزارعین سے زمینوں پر کام کراتے تھے۔ زمین کا لگان وغیرہ خود جاگیر دار وصول کرتے تھے جس میں سے بادشاہ کو حصہ جاتا تھا۔ عام طور پر پیداوار کا ایک تہائی حصہ کسان کا ہوتا تھا ایک تہائی جاگیر دار کا اور آخری ایک تہائی بادشاہ کا۔ جاگیر دار کی حیثیت مزارعین اور دیگر مقامی باشندوں کے لیے حکمران سے کم نہیں تھی۔ مزارعین جاگیر دار کے ظلم وستم کی چکی میں پستے رہتے تھے ان کو کسی قسم کے سیاسی حقوق حاصل نہیں تھے۔ انیسویں صدی میں یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد جاگیر دارنہ نظام کو زوال آیا اور اس کی جگہ سرمایہ دارانہ نظام نے لے لی اب یہ نظام یورپ سے بالکل ناپید ہو چکا ہے لیکن افریقا اور ایشیا کے بعض ملکوں میں کلی یا جزوی طور پر اب بھی اس کی علمداری ہے۔[1]

جاگیر دارانہ نظام معاشی ترقی میں رکاوٹ:

جاگیر دارانہ نظام معاشی ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ جاگیر دارانہ نظام کس طرح سے استحصالی اور ظالمانہ ہے اس بات کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ یہ نظام سامراجی قوتوں کے سامراجی مقاصد کا ہمیشہ محافظ رہا ہے مغربی سامراج میں برصغیر پاک وہند پر اسی جاگیر داری نظام کے ذریعے سے اپنا تسلط اور غلبہ قائم رکھا۔ مقامی آبادی کو شعوری طور پر دو انتہائی طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا ایک وہ طبقہ ہے جسے عرفِ عام میں جاگیر دار وڈیرہ خان نواب سردار رئیس اور اس قسم کے دوسرے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے یہ وہ طبقہ ہے جس کے پاس فی خاندان ہزاروں ایکڑ رقبہ ہے جس کی ملکیتی اراضی پر گاؤں کے گاؤں آباد ہیں یہ لوگ خود کوئی کام نہیں کرتے ان کی زمینوں پر مزارعے اور ہاری کام کرتے ہیں۔ ان کی خون پسینے کی کمائی کا ایک بڑا حصہ یہ لوگ اچک لیتے ہیں دنیا جہاں کی نعمتیں ان کے قدموں میں ہوتی ہیں، خدام کا لاؤ لشکر ان کے جلوس میں ہوتا ہے۔ یہ لوگ مال ودولت کی وجہ سے ہر ایک کو زیر احسان رکھتے ہیں اس لیے یہی لوگ عوام کے اصل حاکم ہوتے ہیں، انتخابات لڑتے اور لڑواتے ہیں مملکت کے تمام ادارے، پولیس، ملازمین اور کچہریاں ان کے قبضے واختیار میں ہوتی ہیں مفلوک الحال طبقے کو ہمیشہ اپنے زیر اثر رکھنا ان کے لیے نہایت آسان ہوتا ہے۔ پورے ملک میں اس طبقہ کے افراد کی تعداد چند ہزار ہے۔ جس میں سے چند

۱۔ جاگیر داری، ڈاکٹر مبارک علی، فکشن ہاؤس مزنگ روڈ، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص: ۱۴

اسمبلیوں میں رونق افروز رہتے ہیں اس وقت ہماری قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے دو تہائی افراد اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ گویا پاکستان کا حقیقی مالک، حاکم اور ان کا داتا یہی جاگیر دار طبقہ ہے۔

دوسری طرف وہ طبقہ ہے جسے ہاری، دہقان، باغبان اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ سے جانا جاتا ہے۔ پاکستان کے کروڑوں افراد اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں یہ وہ طبقہ ہے جس کے پاس اپنا کچھ نہیں ہوتا۔ خاندان کے سارے افراد کو کھیتوں میں کام کرنا پڑتا ہے ہر فصل کے آخر میں جاگیر دار اور وڈیرے کے کارندے آکر زیادہ حصہ لے جاتے ہیں جو کچھ ان کے پاس بچتا ہے اس سے وہ بمشکل پیٹ پوجا کرتے ہیں، تعلیم، علاج اور رہائش کی سہولتوں کا تو کوئی سوال ہی نہیں اس طبقہ کی زندگی میں خوشیاں کم اور فکر وفاقہ زیادہ ہوتا ہے صرف یہی نہیں بلکہ ان کی ذاتی عزت اور ان کی بہو بیٹیوں کی عصمت بھی ان جاگیر داروں اور وڈیروں کے پاس رہن رکھی ہوتی ہے بلا مبالغہ یہ وہی غلامی ہے جو آج سے سینکڑوں برس پہلے پائی جاتی تھی صرف طریقہ واردات بدل گیا ہے۔ یہ انتہائی بلند اور انتہائی پستی کی صورت حال یکا یک پیدا نہیں ہوگی بلکہ اس کے پیچھے سینکڑوں برس کے مختلف اقدامات کار فرما ہیں، بلکہ ابتداء سے تمام اراضی ریاست کی ملکیت تھی اور اس کا یہ حق تھا کہ وہ کاشت کاروں کی پیداوار میں سے نصف یا زیادہ لے لے۔ تقریباً دو ہزار سال تک ہر اس حکومت کے لیے، جس نے برصغیر کے کسی حصہ پر بھی حکومت کی یہ غیر متنازعہ رہا۔ مغلوں نے پہلی دفعہ اس سسٹم میں تبدیلی کی کہ فوجی اور زرعی نظام کو یکجا کر دیا۔ اکبر کے دور میں تمام فوجی عہدے داروں کو منصب دار کہا جاتا تھا۔ دس ہزاری منصب دار کا مطلب یہ تھا کہ اس کی کمان میں دس ہزار افراد ہیں ،دس ہزاری منصب دار یا پانچ ہزار منصب دار، ان منصب داروں کو شاہی حکم کے تحت ہر وقت اتنے فوجی تیار رکھنے ہوتے تھے۔ اس خدمت کے عوض انہیں جاگیریں دی جاتی تھیں یہ جاگیریں وارثت میں منتقل نہیں ہو سکتی تھی منصب دار کی برطرفی یا موت کی صورت میں ان کی ملکیت ریاست کے پاس رہتی تھی اور اس پر کسی اور فرد کا تقرر بحیثیت منصب دار کیا جاتا تھا۔ ان منصب داروں کے لیے ان زمینوں کو خود کاشت کرنا ہوتا تھا اس لیے انہیں فوجی ڈیوٹی بھی ادا کرنی ہوتی تھی، یہاں تک ان کا عہدہ بھی بادشاہ کے رحم وکرم پر ہوتا تھا لہٰذا وہ اجارے یا بٹائی کی شکل میں اپنی جاگیر کا انتظام کرتے تھے۔ جب سلطنت مغلیہ کمزور ہو گئی تو جاگیریں اپنے سابق منصبداروں کے پاس رہ گئیں بعد ازاں انگریزوں نے اس نظام میں مزید تبدیلیاں کیں۔

سب سے پہلے تو ۱۹۵۷ کی جنگ آزادی میں حصہ لینے والے تمام سرداروں، نوابوں، جاگیر داروں اور منصب داروں کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔ اس کے برعکس لوگوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا، انہیں انگریزوں سے وفاداری اور اپنی قوم سے غداری کے انعام کے طور پر بہت بڑے بڑے قطعاتِ اراضی دیئے گئے، اس کے ساتھ ساتھ انگریزوں نے زمین کو قومی ملکیت سے نکال کر افراد کی ملکیت میں دے دیا اس کے لیے ۱۸۱۷ء سے ۱۸۹۹ء تک

بندوبست اراضی ہوا جس میں اپنے منظور نظر افراد کو جی بھر کر نوازا گیا جس سے ایک نئے جاگیر داری نظام کی بنیاد پڑی۔[۱]

ا۔پاکستان میں جاگیرداری نظام کے متعلق بنیادی اصطلاحات:

پاکستان کے تناظر میں جاگیر داری اور زمینداروں کے نظام سے واقفیت کے لیے لازم ہے کہ اس نظام کے بارے میں چند بنیادی اصطلاحات سے واقفیت حاصل کر لی جائے۔

ا۔زرعی زمین کے مالکوں کو مختلف صوبوں میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔

پنجاب میں: چودھری، میاں، مہر وغیرہ

سندھ میں: وڈیرا

خیبر پختونخوا میں: خان، میاں

بلوچستان میں: سردار

۲۔زمیندار اور جاگیر داروں میں فرق

(ا)۔زمیندار کو زمین ورثے میں ملتی ہے جو اس کو آباواجداد نے خریدی تھی یا اس نے خود خریدی ہے۔

(ب) جاگیر دار وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے شاملات کی زمینوں (سرکاری زمینوں) پر قبضہ کیا یا حکومتوں نے نہیں مفت میں عطا کیں۔

(ج) زمیندار حکومت کو کسی نہ کسی شکل میں ٹیکس ادا کرتا ہے جبکہ جاگیر دار ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتا ہے بلکہ بعض جاگیر داروں کو سرکاری خزانے سے سالانہ رقم بھی بطور عطیہ ملتی ہے۔

(د) زمیندار کی زمین محدود ہوتی ہے جبکہ جاگیر داروں کی جاگیر کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

۳۔لگان: سرکاری ٹیکس ہے جو صوبائی حکومت زمین کے مالک سے وصول کرتی ہے۔

۴۔آبیانہ: یہ رقم نہر یا سرکاری ٹیوب ویل کا پانی استعمال کرنے پر بطور قیمت وصول کی جاتی ہے۔

۵۔زمین جوتنے والا: جو خود زمین کا مالک نہیں ہوتا مختلف صوبوں میں ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ پنجاب میں مزارع ،سندھ میں ہاری، خیبر پختونخوا میں: زمیندار اور بلوچستان میں: ہاری

۶۔جاگیر دار اور بڑے زمیندار عام طور پر اپنی زمین خود کاشت نہیں کرتے بلکہ بٹائی اور ٹھیکہ کا نظام ہے بٹائی کا مطلب یہ ہے کہ مزارع، ہاری، کسان زمین کے مالک کو نقد کرائے کی بجائے فصل کا ایک مقررہ حصہ دیتا ہے جبکہ زمین جوتنے والے مزارع، ہاری، کسان کو وہائی، بیج، کھاد اور ادویات مہیا کرنا زمین کے مالک کے ذمہ ہوتا ہے۔ ٹھیکہ یا لیز

ا۔پاکستان جاگیرداری نظام کے شکنجے میں، محمد نعیم اللہ، جمہور پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۱۳ ۔ ۱۱۶

ایک طرح کا کرایہ ہوتا ہے جو پہلے سے طے کر لیا جاتا ہے اور مالک یہ وصول کر کے چین سے بیٹھا رہتا ہے۔

۷۔ آبپاش زمینوں پر سال میں دو فصلیں ہوتی ہیں خریف اور ربیع، بارانی زمینوں پر صرف ایک فصل ہوتی ہے۔

۸۔ خریف کی فصل میں: چاول، مکئی، کپاس، گنا، تل، چری، جو، باجرہ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

۹۔ ربیع کی فصل میں: گندم، جو، چنا، کھانے کے تیل والے بیج وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

۱۰۔ پاکستان میں صرف تیس فیصد (۳۰٪) رقبہ قابل زراعت ہے۔ [۱]

۲۔ ارتکاز جائیداد۔

پاکستان بننے کے وقت جن جن کے پاس زمین کی جو ملکیت تھی وہ انگریزوں کی عطا کردہ تھی۔ یہاں قدیم ملکیتوں کا کوئی تصور نہیں۔ زمین کی ملکیت کے اس سارے نظام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلامی نظریہ کے مطابق یہ ساری ملکیتیں غلط ہیں کیونکہ اسلام میں صرف ان طریقوں سے زمین کی ملکیت ثابت ہو سکتی ہے۔

۱۔ وہ زمین جو غیر آباد ہو اور کوئی انسان اس کو آباد کر لے۔

۲۔ جو حلال آمدنی سے قیمتاً کوئی زمین خریدی گئی ہو۔

۳۔ جو ایک اسلامی ریاست بطور عطیہ دے۔

۴۔ جو ایک جائز مالک کسی دوسرے کو تحفہ دے۔

۵۔ جو ایک جائز وارثوں کو اسلامی قانونِ وراثت کے تحت ملے۔

اب جب کہ مروجہ نظامِ جاگیرداری زیادہ تر ملکیت کے اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں ہے تو مراعات یافتہ طبقہ اسلامی نظام خلافت کے قیام کو کیونکر برداشت کر سکتا ہے۔ لہذا جب تک مفادعامہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نیا بندوبست اراضی نہیں کیا جاتا ایک اسلامی فلاحی ریاست کا قیام محض ایک خواب رہے گا۔ پاکستان کے موجودہ صوبوں میں جاگیرداری اور زمینداری کے نظام کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انگریز حکمرانوں نے ہر جگہ آبپاشی، بارانی اور بنجر زمینوں پر بھی جاگیرداری اور زمینداری کا نظام قائم کیا اور جاگیرداروں اور زمینداروں کی سرپرستی کی تاکہ ان کے سامراجی مقاصد بہتر طریقے سے پورے ہوں برطانوی سامراج نے وفادار پنجابی چودھریوں، وفادار سندھی وڈیروں کا انتخاب کر کے انہیں مقامی کسانوں پر مسلط کیا۔ تاکہ مراعات یافتہ، جاگیرداروں اور زمینداروں کے ذریعے وہ عوام پر اپنا تسلط قائم رکھ سکیں۔ [۲]

۱۔ پاکستان جاگیرداری نظام کے شکنجے میں، محمد نعیم اللہ، ص: ۱۱۳ ـ ۱۱۶

۲۔ ایضاً، ص: ۱۴۶

ترقی پذیر ممالک اور BRIC EMERGING MARKET جس میں برازیل، روس انڈیا اور چین شامل تھے میں گیارہویں نمبر پر پاکستان بھی آتا تھا پاکستان کی معاشی ترقی کا سفر رک گیا جبکہ اس کے مدِمقابل بنگلہ دیش کی معاشی شرح نمو بہتر رہی، اس کا سبب جاگیر داری نظام کا ہماری سیاست و معیشت میں عمل دخل تھا، کیونکہ وطن عزیز میں جاگیر داری نظام سیاسی و معاشی قوت کا سرچشمہ ہے۔ ۱۹۵۰ تا ۱۹۶۰ آزاد پاکستان پارٹی نے الیکشن لڑا اور پنجاب میں ۸۰ فیصد نشستیں صوبائی اسمبلی میں جاگیر داروں نے جیتیں اور کسانوں کو ایک سیٹ بھی نہ ملی حالانکہ کسانوں اور ہاریوں کی اکثریت تھی اس کی بڑی وجہ طاقت کا سرچشمہ جاگیر دار تھے۔ اس وقت ۶۰۰۰ لینڈ لارڈ زپاکستان کی ۱۵ فیصد زمین کے مالک تھے، اسی طرح ایک فیصد امیر ایک تہائی زمین کا مالک پنجاب میں ہے۔ ۲۰۰۰ کے قریب ایسے جاگیر دار ہیں جو ۱۰ فیصد زمین کے مالک ہیں۔ پاکستان کے ۶۵ فیصد عوام کے پاس جتنی زمین ہے اس کے مقابلے میں ایک فیصد سے بھی کم افراد اتنی ہی زمین پر قابض ہیں۔ امارت اور غربت اور طاقت کے توازن میں اتنا فرق ہے، تو ایسے میں سماجی تحرک کا سفر کیونکر طے ہو سکتا ہے اور اشرافیہ سے نہتے عوام اپنا جمہوری حق کیسے لے سکتے ہیں۔ جنوبی پنجاب کے چھوٹے کسان اور ہاری جاگیر داروں کے مظالم کا شکار ہیں۔ [۱]

۳۔ جاگیر داری سے حکمرانی تک۔

جاگیر داری اور جمہوریت ایک ساتھ نہیں چل سکتے پاکستان کی ۷۰ سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ پاکستان میں سیاسی عدم استحکام اور جمہوریت کی ناکامی میں جاگیر داروں اور جاگیر دارانہ سیاست کا حصہ سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ جاگیر دار کی ایک نفسیاتی مجبوری یہ ہوتی ہے کہ اسے بہر حال اقتدار میں رہنا ہوتا ہے کیونکہ اس میں اس کے اپنے اقتدار کی بقاء مضمر ہوتی ہے اپنے علاقے میں دھاک قائم رکھنے کے لیے اور اپنے مخصوص مفادات کی حفاظت کے لیے جاگیر داروں اور زمینداروں کو حکومت کی حمایت ضروری ہوتی ہے اس لیے وہ حکومت سے زیادہ حکومت کے وفادار ہوتے ہیں وہ حزب مخالف میں رہنا برداشت نہیں کر سکتے چنانچہ اگر پارٹی اقتدار سے نکل جائے تو اس میں ان کا کیا قصور ان کی وفاداری کرسی سے ہوتی ہے اس روایت نے پاکستان میں جمہوری عمل کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ جاگیر داری وہ ظالمانہ نظام ہے جو انگریزی استعمار نے برصغیر میں قائم کیا اس نظام کا بنیادی مقصد یہاں کے عوام کو بالخصوص مسلمان عوام کو کنٹرول کرتا تھا جاگیر داروں نے اپنے زیر اثر مظلوموں کو تعلیم، صحت اور زندگی کی دوسری بنیادی سہولتوں سے جس طرح محروم رکھا وہ پوری دنیا کے سامنے ہے وطنِ عزیز میں جاگیر دار طبقے کی خاصی بڑی تعداد ہے۔ [۲]

۱۔ ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ، (کالم)، جنگ نیوز، پروفیسر محمد حسین چوہان، ۷ نومبر ۲۰۱۴ء

۲۔ پاکستان کی تاریخ وسیاست، صفدر محمود، جہانگیر بکس اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص: ۲۸۷

۴۔ تعلیم کا فقدان:

پاکستان میں سندھ ایک ایسا واحد صوبہ ہے جہاں تعلیم کا معیار ہی نہیں سرکاری تعلیمی اداروں میں تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے جبکہ پرائیویٹ اسکولز بھاری فیسوں کی مد میں تعلیم فراہم کر رہے ہیں۔ تعلیم یافتہ اور باشعور لوگ ہی ملکی ترقی کا اہم اثاثہ ہوتے ہیں۔ پاکستان میں خاص طور پر سندھ کا تعلیم کا نظام بالکل تباہ ہو گیا ہے۔ عوام سے تعلیم چھین کر انہیں مزید جہالت کے اندھیرے میں دھکیل کر انہیں ذہنی غلام بنانا ہی ان کی سیاست کا اصل مقصد ہوتا ہے اور تعلیم کے نام پر سیاست کی جا رہی ہے۔ اور تعلیم کے نام پر ووٹ بٹورے جا رہے ہیں سندھ میں تعلیم پر کئی ارب روپے سے زائد رقم خرچ ہوئی، لیکن تعلیمی معیار میں بہتری نہ آسکی، سندھ میں سرکاری اسکولوں کے طالب علموں کا تعلیمی معیار صرف ۲۶ سے ۳۰ فیصد کے درمیان ہے۔ تعلیمی نظام میں موجود کمزوریاں دور کر کے سرکاری اسکولوں کے تعلیمی معیار کو بہتر کرنا ہے، تعلیمی معیار کا بہتر نہ ہونا سندھ کا سب سے بڑا مسئلہ بن کر سامنے آگیا ہے، جس کا اہم سبب معیاری اساتذہ اور عملے کا فقدان ہے۔ اس کے علاوہ غیر موئثر لیڈر شپ، کمزور و غیر ضروری تعلیمی نظام اور پالیسیاں، بدانتظامی اور عملدرآمد و نگرانی کا فقدان، اس کے علاوہ جاگیر دارانہ نظام جو کہ نظام تعلیم میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔[1]

۵۔ ہنر مندی کا فقدان:

تعلیم انسان کو شعور اور معاشرتی ادب سکھا کر معاشرے میں رہنے کے قابل بناتی ہے۔ جسے حاصل کرنے سے انسان ایک قابل قدر شہری بن جاتا ہے۔ جبکہ فنی تربیت انسان کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے اسے باعزت روزگار کمانے کے قابل بناتی ہے تاکہ وہ معاشی طور پر خوشحال زندگی بسر کر سکے۔ اس شعبہ پر توجہ دینے سے نہ صرف روزگار کے مواقع بڑھ سکتے ہیں۔ ہماری آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے جس میں ۶۳ فیصد تعداد نوجوانوں کی ہے جو کسی بھی ملک کے لئے خوش آئند بات ہے لیکن تعلیم اور ہنر مندی سے محروم یہ نوجوان ملکی معیشت کا سہارا بننے کے بجائے بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی وجہ سے بوجھ ثابت ہو رہے ہیں۔ یونیورسٹی سے فارغ ہونے والے طلبا بھی ڈگری ہونے کے باوجود عملی تربیت اور ہنر نہ ہونے کی وجہ سے بے روزگاری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اگر ان کے نصاب میں کوئی ایک بھی فنی کورس شامل ہوتا تو انہیں مایوسی کا سامنا ہرگز نہ کرنا پڑتا۔ دنیا کے جن ممالک نے فنی تعلیم کو اپنی بنیادی تعلیم کا حصہ بنایا وہاں معاشی ترقی کی رفتار بہت زیادہ ہے۔ ہمارے ہاں فنی تعلیم کے لیے فنڈز نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ملک میں سرکاری سطح پر کام کرنے والے کچھ تربیتی مراکز ایسے ہیں، جو

ا۔ ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ، (کالم)، جنگ نیوز، پروفیسر محمد حسین چوہان، ۷ نومبر ۲۰۱۴ء

چاروں صوبوں میں قائم ہیں۔ لیکن یہ مراکز اتنی استعداد نہیں رکھتے کہ کئی ملین نوجوانوں کی پیشہ ورانہ تربیت کی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اس کے علاوہ پاکستان میں شہری آبادی میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور شہری نوجوانوں کو بھی پیشہ ورانہ تربیت کی بہت ضرورت ہے۔ (۱)

۶۔ جاگیر داری نظام اور اسلامی نقطہ نظر:

جاگیر داری کی اصل اساس ملکیت کا لا محدود تصور ہے جس کے نتیجے میں ہزاروں، لاکھوں ایکڑ تک نہ صرف ناجائز قبضے ہیں بلکہ ملکیت کے دعوے ہیں جبکہ ملکیت کی قانونی وشرعی حیثیت کیا ہے اس بات کی کسی کو پرواہ نہیں۔ عوام الناس پر کیا گزر رہی ہے؟ مخلوقِ خدا کس طرح پس رہی ہے؟ مفاد عامہ کس قدر متاثر ہو رہا ہے؟ اور جاگیر دار جائز وناجائز مقبوضہ اراضی کی بنیاد پر کیونکہ مطلق العنان اور خود مختار بنے بیٹھے ہیں؟ معاشرتی اور قومی سطح پر ایک بڑا المیہ ہے جب کہ شریعتِ اسلامی کے اصول وضوابط پر نظر ڈالتے ہیں تو ہر جگہ مفاد عامہ اور اجتماعی منفعت کی فوقیت نظر آتی ہے۔ شریعت کے تمام احکام وضوابط میں انسانوں کی اجتماعی مصلحت ومنفعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ جن امور ومعاملات کو اختیار کرنے سے مطلوبہ مصلحت ومنفعت کا تحفظ ہو سکتا ہے اور وہ بروئے کار آسکتی تھی شریعت نے ان کو جائز ٹھہرا کر اپنانے کا حکم دیا ہے اور جن کو اختیار کرنے سے مطلوبہ مصلحت ومنفعت کا ضیاع ہو سکتا اور ان کا حصول ناممکن ہو جاتا تھا شریعت نے ان کو ناجائز قرار دے کر ان سے روکا ہے اور منع فرمایا ہے لہذا کسی ریاست میں میں زمین کی ملکیتوں کا نظام ایسا ہے جو مفادِ عامہ کے خلاف ہے تو حکومت مفاد عامہ کے پیشِ نظر اہلِ نظر الرائے کے مشورہ سے زمینوں کی شخصی اور ذاتی ملکیت کی تحدید کر سکتی ہے۔ حفظ الرحمن سیوہاروی لکھتے ہیں:

> "اسلامی اقتصادی نظام میں "کاشتکار اور زمیندار" معاملہ زمینداری میں شریک کار کی حیثیت سے شمار ہوتے ہیں مگر دنیا کے دور قدیم اور دور جدید کا یہ جاگیر دارانہ نظام جس میں زمینداری، اسٹیٹس اور ریاستی صورت میں دکھائی دیتی ہے اسلام کے معاشی نظام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اسلامی اقتصادی قانون اس نظام کو قطعا حرام اور ناجائز قرار دیتا ہے۔ یہ شکل کہ دیہات کے دیہات اور قصبے کے قصبے اشخاص وافراد کے قبضے میں اس طرح ہوں کہ اُن کے ساتھ کاشتکاروں اور انسانی بستیوں کی ایک طرح سے بیع وشریٰ ہوتی ہو اور وہ غلاموں اور محکموں کی طرح زمینداروں کی اغراض کا آلہ کار بنتے ہوں اس قسم کی جائیدادوں اور زمینوں کا سلامی نظام حکومت میں کوئی شائبہ نہیں (۲)

۱۔ ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ، (کالم)، جنگ نیوز، پروفیسر محمد حسین چوہان، ۷ نومبر ۲۰۱۴ء

۲۔ اسلام کا اقتصادی نظام، حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ص: ۲۳۶

مولانا تقی امینی فرماتے ہیں کہ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ خلافتِ الٰہی میں ذرائع پیداوار ،ذاتی اقتدار بڑھانے کے لیے کسی کے پاس نہیں رکھے جاسکتے کہ وہ تنہا ذاتی حیثیت سے سرچشمہ رزق پر قابض ہو جائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا﴾[1]

ترجمہ: اور کتنی ہی ایسی بستیاں ہم تباہ کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی معیشت پر اترانے لگتے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی واضح ہو جانی چاہیئے کہ خلافتِ الٰہی میں انفرادی واجتماعی ملکیت کی کوئی اہمیت نہیں ہے اصل چیز مقصد ہے اگر افراد میں تقسیم کرنے سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے تو ذرائع پیداوار فرداً فرداً تقسیم کر دیئے جائیں گے اور اگر اجتماعی طور پر کاشت کرانے میں عام نفع ہو تو اس کے لیے بھی کوئی روک نہیں۔بد قسمتی سے ذرائع پیداوار کی تنظیم میں سب سے اہم درجہ "مسئلہ ملکیت" کو دیا گیا ہے۔ انفرادی واجتماعی، عارضی ودائمی وغیرہ قسم کے مسائل ایسے تباہ کن بن گئے ہیں کہ انہوں نے لوگوں کو اصل مقصد سے منزلوں پیچھے کر دیا ہے۔ اور خلقِ خدا کی حقیقی خوشحالی اور فارغ البالی اس کشمکش کی نذر ہو کر رہ گئی ہے۔ اسی غلط تصور نے ایسے انسانیت سوز نتائج پیدا کیے ہیں کہ ایک طرف بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے دولت وسامانِ عیش کی ناقابلِ تصور فراوانی ہے تو دوسری طرف محنت ومشقت کے باوجود ذلت ونکبت سے اموات کا بھیانک اور لرزا دینے والا منظر ہے۔ اسلام نے اس بحث کو ایک لفظ "خلافت" سے ختم کر دیا ہے کہ کھیتی باڑی کی کیا خصوصیت ہے زمین و آسمان کی ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ ہے اور یہ ساری چیزیں بحیثیت "خلیفہ" انسان کو بطور "امانت" "استعمال کے لیے دی گئی ہیں۔اور ہر "امین" کو اس کے استعمال کا حق اسی وقت تک ہے۔ جب تک اس سے مفاد عامہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔[2] حقوقِ ملکیت کے حوالے سے ایک مغالطہ بہت عام ہے وہ یہ کہ کسی وقتی مصلحت کے تحت حکومت کی طرف سے عطا کردہ عطیات اور جاگیروں کی موروثی جائیداد کے حقِ ملکیت کی طرح مستقل حق تصور کر لیا جاتا ہے جب کہ اصلا ایسا نہیں ہے۔ اس مسئلے کی وضاحت مولانا مودودیؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"یہ بات اصولی طور پر جان لینے کی ہے کہ حکومت کی عطا کردہ جاگیروں پر جاگیر داروں کے حقوقِ ملکیت اُس طرح قائم نہیں ہو جاتے جس طرح کسی شخص کو اپنی زر خرید اِملاک یا موروثی ملکیتوں پر حاصل ہوتے ہیں۔ جاگیروں کے معاملے میں حکومت کو ہر

۱۔ سورۃ القصص:۲۸/۵۸

۲۔ اسلام کا زرعی نظام، محمد تقی امینی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص:۳۱۴

وقت نظر ثانی کرنے کا حق ہوتا ہے اور کسی عطیہ کو نامناسب پاکر حکومت کو ہر وقت نظر ثانی کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اور کسی عطیہ کو نامناسب پاکر حکومت منسوخ بھی کر سکتی ہے اور اس میں ترمیم بھی کر سکتی ہے اور اس کی نظیر احادیث وآثار میں موجود ہیں"۔ (۱)

مناظر احسن گیلانیؒ قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج کے حوالے سے ملکیت زمین کے مسئلے پر ایک نظیر پیش کرتے ہیں:

(اقطع رسول اللّٰہ لبلال بن حارث المزني ما بین البحر و الصحز) (۲)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے بلال بن حارث مزنی کو دریا سے پہاڑ تک جاگیر میں دے دیا تھا۔

بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کی جاگیر کا ذکر صرف اس لیے کیا جارہا ہے تا کہ معلوم ہو کہ بڑے سے بڑا علاقہ بھی حکومت اپنے صوابدید سے جاگیر میں عطا کر سکتی ہے لیکن حکومت کے صرف اقطاع سے وہ شخص اس علاقے کا مالک نہیں بن جاتا جب تک کہ "احیاء" کے اس پر قبضہ نہ کر لے۔ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ رسول اللہ ؐ کی عطا کردہ جاگیر کے احیاء پر قادر نہ ہو سکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں اُن سے واپس لے لی تھی۔

اس نظیر سے پاکستان میں جاگیروں کی حیثیت اور جاگیر داروں کی اصلیت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے اور اس کی شرعی و قانونی حیثیت کو جاننے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ظالمانہ اور استحصالی نظام سے چھٹکارا کیسے حاصل کیا جائے؟ تا کہ پاکستان جو ایک زرعی ملک ہے اور یہاں عوام الناس کی اکثریت کا روزگار اور معاش زرعی زمینوں کے ساتھ وابستہ ہے اُن کے مفادات کا تحفظ کیا جاسکے۔ انسانی ضروریات زندگی میں سے اہم ترین ضرورت "رزق" ہے پاکستان ایک زرعی ملک ہونے کے باوجود بے شمار افراد دو وقت کی روٹی اور خوراک کی قلت کا شکار ہیں یہ جاگیر داری نظام کے بُرے اثرات ہیں کہ وسائل پر چند خاندانوں کا قبضہ ہے اور مخلوقِ خدا "مترفین" اور "محرومین" کے طبقات میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔

۱۔ معاشیات اسلام، ابوالاعلیٰ مودودی، ص: ۲۲۰

۲۔ ایضا

قران نے سب سے پہلے تو یہ تصور دیا ہے کہ محنت ہی اصل چیز ہے اور معاوضہ محنت کا ہی ہے۔

﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَٰنِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (۱)

ترجمہ: اور نہیں ہے انسان کے لیے کچھ مگر وہی جس کی اس نے کوشش کی۔

وہ معاشرہ میں ایسے افراد (بجز معذوروں اور محتاجوں کے) نہیں دیکھنا چاہتا جو دوسروں کی کمائی اور محنت پر عیش کر رہے ہوں اور ان استحصال پسندوں کو قران "مترفین" قرار دیتا ہے اور معاشرہ میں ان کا وجود برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ معاشرتی بگاڑ اور فساد کا بنیادی سبب ان کا وجود ہے انہی کو دیکھ کر ہر فرد کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کسی طرح محنت و مشقت کے بغیر دولت حاصل کرنے کا ڈھنگ اس کے ہاتھ آجائے اور پھر یہی خواہش اسے آمادہ کرتی ہے کہ وہ طرح کی بے ایمانیاں اور بدکاریاں سوچے اسلام ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو محنت کر کے کماتے ہیں۔ زمین کے متعلق اللہ نے فرمایا:

﴿سَوَآءً لِّلسَّآئِلِينَ﴾ (۲)

ترجمہ: سب حاجت مندوں کے لیے یہ مساوی ہے۔

یعنی تمام حاجت مند اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں مگر کوئی اس کا مالک قرار نہیں پا سکتا۔ قرآن حکیم نے بڑی وضاحت سے مختلف قوموں اور تہذیبوں کا عبرت خیز انجام بتایا اس میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ جو لوگ بڑے بڑے رقبوں پر قابض ہو کر کہتے تھے اتنی زمین میری ہے وہ لوگ ختم ہو گئے زمین ان کو کھا گئی ان کے ملکیتی کاغذات اور دستاویزات برباد ہو گئیں اس طرح قران جاگیر دار زمیندار کے دعووں کی تردید کرتا ہے اور پھر ایک اور بات کہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ زمین سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ سارا اس کا بھی نہیں جو اس میں محنت کرتا ہے قرآن حکیم نے بڑی وضاحت سے زمین کے سلسلہ میں تمام تفاصیل بیان کر دی ہیں وہ "الارض" کی اہمیت اجاگر کرتا ہے اس نے آدم کی تخلیق کے وقت بھی فرمایا تھا:

ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ (۳)

ترجمہ: مجھے زمین میں خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

۱۔ سورۃ النجم: ۵۳/ ۳۹

۲۔ سورۃ حم سجدہ: ۴۱/ ۱۰

۳۔ سورۃ البقرہ: ۲/ ۳۰

اس نے معاشی زندگی کے لیے بھی "الارض" کی اصطلاح استعمال کی ہے کیونکہ سارے معاشی وسائل کی اصل بنیاد زمین ہے۔ جو لوگ رزق کے سرچشموں پر قابض ہو کر انہیں اپنی ملکیت بتاتے ہیں قرآن سب سے پہلے ان سے سوال کرتا ہے یہ بتاؤ کہ تخلیق ارض وسماوات میں تمہاری کونسی ہنر مندی اور کون سا کمال شامل ہے کیا خدا نے ہی زمین کو پیدا نہیں کیا اس میں نمو کی قوتیں اور فصلیں اگانے کی صلاحیتیں نہیں رکھیں اور سماوات یعنی بلندیوں کی فضا جس میں بارش، روشنی یہ حرارت اور ہوا شامل ہے۔ سب اس کی تخلیق کردہ نہیں پھر زمین کے اندر جو معدنیات کے ذخائر ہیں یہ سب اسی کے پیدا کردہ نہیں؟ بھلا بتاؤ کہ ان میں تمہاری ہنر مندی کا کتنا حصہ ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: کیا کبھی اس پر بھی غور کیا جو تم کاشتکاری کرتے ہو

تم تو بس یہی کرتے ہو نا کہ ہل چلاتے ہو زمین درست کی اور بیج بکھیر دیا اس کے بعد کیا یہ ہنر مندی بھی تمہاری ہے اور یہ کام بھی تم کر سکتے ہو کہ اس بیج کو زمین کی پیٹ میں مناسب حالات مہیا کرو اس میں نمو کی صلاحیتوں بھر دو اور اسے زمین سے اگا کر ذرا سی کونپل کو پودا بنا دو یقینا نہیں تو پھر اصل کام کس کا ہوا۔

جاگیر داری نظام کے خاتمے اور اصلاح کے لیے چند تجاویز پیش کی جارہی ہیں اس امید پر کہ شاید ان پر عمل کر کے اس ظالمانہ اور استحصالی نظام سے نجات مل سکے اور اس ملک خداداد میں معاشی ترقی کی راہ ہموار ہو سکے اور اسلامی نظام معیشت کا قیام ہو سکے۔

جاگیر داری نظام کی اصلاح کے لیے تجاویز:

۱۔ پاکستان کے کسی حد تک ایک مشکل مسئلے کا حل امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجتہاد میں موجود ہے جو آپ نے عراق، شام، ایران اور مصر کے مفتوحہ ممالک کی اراضی کے بارے میں کیا تھا اور جس پر ابتدائی رد و قدح اور بحث ونزاع کے بعد "اجماع" ہو گیا ہے۔

۲۔ از سرِ نو زرعی اصلاحات کی جائیں جس میں مفادِ عامہ کو پیشِ نظر رکھا جائے اور ان کے مفادات کا تحفظ یقینی بنایا جائے۔

۳۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اہلِ الرائے کے مشورے سے زمینوں کی حد بندی کی جائے تا کہ لا محدود جاگیر داری نظام کا خاتمہ ہو سکے۔

۱۔ سورۃ الواقعہ: ۵۶/ ۶۳

۴۔ ایک آزاد لینڈ کمیشن کے ذریعے مغربی استعمار کے ساتھ وفاداری کے بدلے حاصل کی گئی جاگیروں اور پاکستان بننے کے بعد ناجائز تقسیم اور ناجائز قبضوں کی صورت میں حاصل کی گئی جاگیروں کی نشاندہی کر کے بلا معاوضہ بحقِ سرکار ضبط کر لیا جائے اور ضرورت منداور بے آباد زمین کاشتکاروں میں بلا معاوضہ تقسیم کی جائیں۔

۵۔ حکومتی سطح پر مشترکہ فارمنگ کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۶۔ کسانوں میں جدید زراعت کا شعور پیدا کرنے کے لیے مقامی سطح پر ورکشاپس کرائی جائیں۔

۷۔ میٹرک کے نصاب میں زراعت سے متعلق مضامین شامل کیے جائیں جس میں زراعت کے مختلف شعبوں کا تعارف ان کی افادیت اور اہمیت واضح کی گئی ہو۔

۸۔ کسانوں کو بلا سود زرعی قرضے دیئے جائیں۔

۹۔ تمام فصلوں کی قیمت بین الاقوامی منڈیوں کے مطابق رکھی جائے اور کسانوں تک اس کی ترسیل کو یقینی بنایا جائے۔

۱۰۔ بٹائی کے ضمن میں مالک اور مزارع کے حقوق و فرائض کا تعین کیا جائے۔

نتائج:

مقالہ ہذا کی تحقیق سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔عہد نبوی و عہد خلافت راشدہ میں اسلام کی اخلاقی اقدار (تقوی، عدل، صداقت، امانت، دیانت) پر بھرپور عمل کیا گیا اور معاشی میدان میں ان اقدار کو بھرپور انداز سے بروئے کار لایا گیا جس کے نتیجے میں معاشی ترقی ہوئی۔

۲۔عہد نبوی و عہد خلافت راشدہ میں ذرائع کا بہترین استعمال کیا گیا۔

۳۔پاکستان کے کل رقبے کا ۹.۶ ۷٪ رقبہ قابل کاشت ہے۔ جس میں سے محض ۲۰ سے ۴۳ فیصد رقبہ زیر کاشت ہے۔باقی ماندہ رقبہ زیر کاشت نہ ہونے کی ایک اہم وجہ جاگیردارانہ نظام ہے۔

۴۔بے آباد زمینوں کی آبادکاری نہ ہونے کی وجہ سے بھی ملک پاکستان معاشی تنزلی کا شکار ہے۔

۵۔عہد نبوی و عہد خلافت میں سیاسی استحکام کی وجہ سے معاشی ترقی کو فروغ ملا۔

۶۔پاکستان کی معاشی پسماندگی کی وجہ سیاسی عدم استحکام، کرپشن اور عدم مساوات ہیں۔ ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۰ء تک کے دس سالہ دور میں چار بار سیاسی حکومتوں کی تبدیلی ہوئی۔

۷۔پاکستان میں جاگیردارانہ نظام رائج ہے جس کا ایک نقصان تو زمینوں کا صحیح طریقے سے استعمال میں نہ آنا ہے اور دوسرا نقصان یہ ہے کہ جاگیردارانہ نظام کی ایک خاص شرح کی وجہ سے دیہی علاقوں میں تعلیمی سرگرمیاں پروان نہ چڑھ سکی۔ جس کے نتیجے میں مزدوروں اور ہاریوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ہنرمندی کے فقدان نے جنم لیا۔

۸۔موجودہ سرمایہ دارانہ نظام سود پر مبنی ہونے اور اخلاقیات کی عدم تعلیم کی بنا پر معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

۹۔پاکستان میں معدنی ذخائر کا درست استعمال نہیں کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں معاشی ترقی میں اضافہ نہ ہو سکا۔

سفارشات:

پاکستان کو معاشی ترقی کی راہ پر لانے کیلئے درج ذیل اقدامات ضروری ہیں:

۱۔ پاکستان میں سودی کاروبار کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جائے۔ اور اس کے متبادل شراکت اور مضاربت پر مبنی طریقوں کو فروغ دیا جائے۔

۲۔ اسلام کے کاروباری ضابطہ اخلاق ، تقوی، عدل ، احسان سے متعلق ترغیبات دلائی جائیں اور عدل سے ظلم پر جرمانے اور گرفتاریاں عمل میں لائی جائیں۔

۳۔ تجارتی ممنوعات ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کیا جائے کیونکہ یہ بدامنی، دہشت گردی، قتل و غارت کا بڑا سبب ہیں۔

۴۔ اس وقت پاکستان میں اشیائے خوراک میں ۳۰ سے ۴۰٪ فیصد ملاوٹ شامل ہوتی ہے۔ اس ملاوٹی رجحان کو ختم کرنے کے لیے سوشل، پرنٹ، الیکٹرانک میڈیا پر ترغیبی مہم چلائی جائے۔

۵۔ جاگیر دارانہ نظام کا خاتمے کے لیے فضاء کو ہموار کیا جائے اور درجہ بدرجہ انگریز کی عطاکردہ زمینیں بے روزگاروں میں تقسیم کی جائیں۔

۶۔ پاکستان میں اسلامی نظام معیشت کو بھرپور طریقے سے فروغ دیا جائے تاکہ کاروبار و تجارت میں برکت خداوندی سے حقیقی معاشی ترقی ممکن ہو سکے۔

۷۔ ٹیکس کا نظام اس طرح سے ترتیب دیا جائے کہ متوسط اور غریب طبقہ اس نظام ٹیکس سے متاثر نہ ہو سکے بلکہ ٹیکس کا دائرہ کار زیادہ تر امراء کے گرد ہی حرکت کرے۔

۸۔ دولت کو امیروں سے غریبوں تک پہنچانے کے لیے زکوۃ کا نظام ہے جسے بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔

۹۔ معاشی ترقی کے لیے معاش اور معاشرہ میں مطابقت اور باہمی ربط ہونا ضروری ہے۔

۱۰۔ پاکستان میں دولت چند خاندانوں تک سمٹ کر رہ گئی ہے، ایسے اقدامات کی ضرورت ہے کہ جن سے دولت نچلی سطح تک پہنچ سکے۔

فهرست آیات

فہرست آیات

نمبر شمار	آیات	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱۔	یاأَیُّهَا النَّاسُ کُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلاَلًا طَیِّبًا------	سورۃ البقرۃ	۱۶۸	۱۳۶
۲۔	وَلاَ تَأْکُلُوْا أمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ --------	سورۃ البقرۃ	۱۸۸	۱۳۱
۳۔	رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْیَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً -----	سورۃ البقرۃ	۲۰۱	۱۰
۴۔	وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًاکُلُوْا مِمَّارَزَقَکُمُ اللّٰهُ ----	سورۃ الانعام	۱۴۲	۱۴۳
۵۔	وَلَقَدْمَکَّنَّاکُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَامَعَایِش---	سورۃ الاعراف	۱۰	۳۲
۶۔	کلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ------	سورۃ الاعراف	۳۱	۲۴
۷۔	وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبَاتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَائِثَ--------	سورۃ الاعراف	۱۵۷	۲۰
۸۔	وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ -------------	سورۃ التوبہ	۳۴	۲۶
۹۔	فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآوْلَادُهُمْ------------	سورۃ التوبہ	۵۵	۲۰
۱۰۔	یُنْبِتُ لَکُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ -------	سورۃ النحل	۱۱	۳۳
۱۱۔	وَلَا تُبَذِّرْتَبْذِیرًاإِنَّ الْمُبَذِّرِینَ کَانُواإِخْوَانَ الشیطین----	سورۃ بنی اسرائیل	۲۶	۳۷
۱۲۔	وَآتِ ذَا الْقُرْبی حَقَّهُ وَالْمِسْکِینَ وَابْنَ السَّبِیلِ ------	سورۃ بنی اسرائیل	۲۶	۲۵
۱۳۔	وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ لِتُحْصِنَکُمْ------	سورۃ الانبیاء	۲۸۰	۳۶
۱۴۔	اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا-----	سورۃ المومنون	۲۷	۳۶
۱۵۔	یا أَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ ---------	سورۃ المومنون	۵۱	۴۷
۱۶۔	وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِی اٰتَاکُمْ----	سورۃ النور	۳۳	۱۲۱
۱۷۔	وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا----	سورۃ الفرقان	۶۷	۲۳
۱۸۔	صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِی اَتْقَنَ کُلَّ شَيْءٍ---------	سورۃ النمل	۸۸	۴۷
۱۹۔	انَّ الَّذِینَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ---------	سورۃ العنکبوت	۱۷	۳۳
۲۰۔	وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ-اَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ-----------	سورۃ سباء	۱۰	۴۷

۲۱۔	سوا ءً لِلسَّائلین -----	سورۃ حم سجدہ	۱۰	۱۶۳
۲۲۔	إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ---------	سورۃ الحجرات	۱۳	۱۱
۲۳۔	وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْ الارضِ --------	سورۃ الحدید	۷	۱۲۱
۲۴۔	كَي لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ -----------	سورۃ الحشر	۷	۱۴۹
۲۵۔	فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاة فَانْتَشِرُوْا فِي الْارْضِ---------	سورۃ الجمعہ	۱۰	۱۷
۲۶۔	وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ-----------	سورۃ المزمل	۲۰	۱۸
۲۷۔	فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةوَمَاأَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَة ----	سورۃ البلد	۱۰۔۱۵	۰۹

فہرست احادیث

فہرست احادیث

نمبر شمار	متن	کتب	حدیث نمبر	صفحہ نمبر
۱.	أُطْلُبُو الرِّزْقَ فِي خَبَايَا الْاَرْضِ------	مسند احمد	۱۳۸۴	۳۳
۲.	اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ-----	سنن نسائی	۲۴۶۷	۳۴
۳.	اَنَّ رَسُولَ الله حَرَّقَ نَخَلَ بَنِي نُضَيروَقَطَعَ-------	صحیح مسلم	۱۵۵۲	۴۵
۴.	رَبُّ الْاَرْضِ اَنْ يَّزْرَعُهَا اَو يُزرَعُهَا-----	صحیح مسلم	۱۳۲	۵۹
۵.	عملُ الرّجلِ بيدِه وكُلُّ بيع مبرور-----	صحیح بخاری	۱۹۳	۱۸
۶.	كَادَ الْفَقْرُ اَن يَّكُونَ كُفْرًا--------	البیہقی	۷۸۶	۱۰
۷.	كَانَ اَصْحَابُ رَسُولَ اللّٰهِ قَوْمًا عُمَالُ اَنْفُسَهُم-----	سنن الکبری	۱۲۷	۵۹
۸.	لاَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ أَخِيْه بِيْعًا فِيْهِ عَيْبٌ -----	سنن ابن ماجہ	۲۲۴۶	۱۲۹
۹.	لَعَنَ رَسُوْلُ الله الرَّاشِي وَالْمُرتَشِي-----	جامع الترمذی	۱۳۳۷	۱۳۲
۱۰.	مَنِ احْتَكَرَ يُرِيْدُ أنْ يَتَعَالٰي بها عَلَي الْمُسْلِمِيْنَ----	المستدرک	۲۲۱	۱۲۷
۱۱.	مَامِن مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اِلَّا كَانَ مَا اَكَلَ--------	صحیح مسلم	۱۲۴۲	۳۳
۱۲.	مَا مِن رَجُلٍ يَغْرِسُ غَرْساً اِلَّا كَتَبَ الله -----	مسند احمد	۳۵۶۷	۴۵
۱۳.	يَا اَبَا ظِبْيَانَ اِتَّخذ مِنَ الْحَرْثِ------	سنن ابوداؤد	۳۰۴۵	۶۴

فہرست شخصیات

شخصیات	صفحہ نمبر
ابیض بن حمال	۵۳
خالد بن ضماد	۵۲
ضحاک بن حارثہ	۱۰۴
کنڈل برگن	۰۸
محمد بن مسلمہ	۱۰۴
وائل بن حجر	۵۲

فہرست اماکن

نمبر شمار	جگہ کا نام	صفحہ نمبر
۱۔	آرمینیہ	۷۱
۲۔	ذی الحدر	۵۶
۳۔	رجماء	۵۶
۴۔	سلمیہ	۵۳
۵۔	فسطاط	۶۹
۶۔	قبرص	۷۱
۷۔	موصل	۶۹

مصادر و مراجع

القرآن الکریم

کتبِ تفسیر:

- روح المعانی، علامہ شہاب الدین آلوسی، دار الحدیث، قاہرہ مصر، س ن
- معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، اگست ۲۰۰۵ء

کتبِ احادیث:

- السنن الکبری للبیھقی، ابو بکر احمد بن الحسین، مکتبہ دار العلم البیروت، لبنان، س ن
- الصحیح البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲۰۰۹ء
- الصحیح المسلم، ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء
- المبسوط، امام شمس الدین سرخسی، دار المعرفہ، لبنان، ۱۹۷۸ء
- المسند، امام احمد بن حنبل، (مترجم) مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۱۱ء
- سنن ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، دار السّلام، کراچی، ۲۰۰۹ء
- سنن ابی داؤد، امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۱۱ء
- سنن الترمذی، امام ابی عیسیٰ الترمذی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۱۱ء
- سنن النسائی، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، المکتبہ العلمیۃ، بیروت، س ن
- مشکوٰۃ المصابیح، شیخ عبد الحق دہلوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن

کتب معاشیات :

- ابتدائی معاشیات، ڈاکٹر ایس ایم اختر پبلیشرز یونائیٹڈ لیمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۴ء
- اسلام اور جدید اقتصادی نظریات، منور حسین چیمہ، اسلامک اکیڈمی، گوجرانوالہ، س ن
- اسلام اور جدید معاشی نظریات، سید ابو الاعلیٰ مودودی، ادارہ معارف اسلامی، کراچی، ۲۰۱۲ء
- اسلام اور جدید معاشی تصورات اور تحریکیں، ملک کریم بخش، مکتبہ دانیال اردو بازار، لاہور، س ن
- اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی، شیخ الھند اکیڈمی، کراچی، ۲۰۱۴ء

- اسلام کا تصور ملکیت، ڈاکٹر طاہر القادری، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، مارچ ۲۰۰۸ء
- اسلام کا معاشی نظام، نور محمد غفاری، دیال سٹریٹ، لاہور، ۱۹۹۴ء
- اسلام کا معاشی نظام اور جدید اقتصادی نظریات، مولانا مقبول احمد سلفی، کویت، ۳ مئی ۲۰۰۸ء
- اسلام کا معاشیاتی نظام، حیدر زمان صدیقی، کتاب منزل، لاہور، نومبر ۱۹۴۹ء
- اسلام کا نظام تقسیم دولت، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، دار الاشاعت، کراچی ۲۰۰۳
- اسلام کے معاشی تصورات، کوثر نیازی، علمی پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۷۲ء
- اسلامی معاشیات، عبد الحمید ڈار، علمی کتب خانہ اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۴ء
- اسلامی معاشیات اور بنکاری، پروفیسر اوصاف احمد، انسٹی ٹیوٹ جامعہ نگر، دہلی، ۱۹۹۷ء
- اسلامی نظام معیشت کے بنیادی اصول، ڈاکٹر طاہر القادری، منہاج القرآن پبلیشرز، لاہور، س ن
- اصول معاشیات، منظور علی، علمی کتب خانہ، لاہور، اگست ۱۹۷۴ء
- اقتصادی مسائل اور ان کا حل (شاہ ولی اللہ کی نظر میں)، طفیل احمد قریشی، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء
- اقتصادیات اسلام، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، مارچ ۲۰۰۴ء
- امام شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار و نظریات، مولانا عطاالرحمٰن قاسمی، مکتبہ خلیل یوسف مارکیٹ، لاہور، ۲۰۰۵ء
- تاریخ اِسلام، پروفیسر ساجد علی، ایورنیو بک اُردو بازار، لاہور، س ن
- تاریخ اسلام کی عظیم شخصیات، ناعمہ صہیب، فضلی سنز پرائیوٹ لمیٹڈ اُردو بازار، لاہور، مئی ۲۰۰۵ء
- تاریخ الامم والمملوک، محمد ابن جریر طبری، مؤسستہ العلمیہ، بیروت، لبنان، س ن
- تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ، مولانا غلام مناظر احسن گیلانی، نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، کراچی، مئی ۱۹۸۳ء
- حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، المکتبہ السلفیہ پاکستان، لاہور، ۲۰۰۹ء
- شاہ ولی اللہ کا فلسفہ عمرانیات و معاشیات، شیخ بشیر احمد، دار الکتب اردو بازار، لاہور، اکتوبر ۱۹۹۴ء
- شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے، شمس الرحمٰن محسنی، سندھ ساگر اکادمی، لاہور، اکتوبر ۱۹۴۰ء
- شاہ ولی اللہ کے معاشی افکار اور عصرِ حاضر میں اس کی افادیت، ڈاکٹر حسین محمد قریشی، پورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۰۵ء

- کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ادارۃ المعارف، بیروت، لبنان، ۱۹۷۹ء
- معاشیات، حبیب الرحمان، ہاشم پرنٹنگ حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۳ء

کتب لغات وانسائیکلوپیڈیا:

۱۔ فرہنگ آصفیہ، سید احمد دہلوی، اردو سائنس بورڈ، لاہور، س ن

۲۔ مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی، (ترجمہ) مولانا محمد فیروزپوری، شیخ شمس الحق، لاہور، س ن

مجلات:

۱۔ شاہ ولی اللہ کا نظریہ ارتفاقات، ایک مطالعہ، عبید اللہ فلاحی، تحقیقات اسلامی علی گڑھ، شمارہ۔۱، ستمبر ۲۰۰۵ء

۲۔ شاہ ولی اللہ کے معاشی افکار، محمد امین ایم۔اے، الولی، حیدر آباد، شمارہ ۱۔ ۱۲، اگست۔ ستمبر ۱۹۷۴ء

۳۔ معاصر نظام ہائے معیشت میں تقسیم دولت کا تصور، محمد ذوالقرنین، البصیرۃ، نمل، جلد ۶، شمارہ۔۲، جون ۲۰۱۷

کالم:

۱۔ سرمایہ دارانہ نظام کے مضر اثرات، عشرت حسین، ڈان نیوز، ۱۲ جنوری ۲۰۱۷ء

۲۔ ملک میں معاشی ترقی کیسے ممکن ہے، رضا ادیب، ایکسپریس نیوز لاہور، ۲۱ جولائی ۲۰۱۷ء

۳۔ ہماری معیشت اور اقتصادی ترقی، احمد رضا سلیم، ایکسپریس نیوز، ۲۱ جون ۲۰۱۷ ء

۴۔ ہم معاشی ترقی کیسے کر سکتے ہیں؟، جاوید اختر، دنیا نیوز، جنوری ۲۰۱۶ء

انگریزی کتب:

1.Development Concept and Islamic Perspective, Richard M. Lerner, (University of Malya, Malayasia.2007)

2.Economic Development, Stephen C. Smith, (New York University, 2011)

3.General Economics,P.v Raghvan,(Dorling Kindersley,India Ltd,2011)

4.Scoial Theory For Beginners, Paul rensome ,(Policy Press,University of Bristo UK)

5.The Wealth of Nation ,Adam Smith,(Infinite Ideas Limited, UK,2009)

Websites:

1.http//www.tradingeconomics.com
2.http://www.theguardian.com
3.http://www.globaleconomy.intr.com

Reports:

1. Human development,(HDR), 27 nov 2007.
2. The State of the world,s children,1999,UNICEF.
3. United nations Human Development, Report,2006.

.